شب براءت

کیا ہے؟

سلسلۂ اشاعت ۵

شب براءت کے موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ جس میں اس موضوع کی روایات پر سیر حاصل تبصرہ کر کے اصل حقیقت واضح کی گئی ہے۔

صفحات ۸۰
قیمت ۱۵ روپیہ

تالیف

از محقق دوراں، امام الحدیث والقرآن علامہ قاری
حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی

شائع کردہ
الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
مکان نمبر ۳-۷-۱ے- بلاک نمبر ۱ ناظم آباد- کراچی ۷۴۶۰۰- فون: ۶۲۱۴۴۹

فہرست عنوانات

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور بڑی رحمت والا ہے

تعارف

تقریباً بیس سال قبل بعض حقیقت پسند علم دوست حضرات کے تقاضوں کے تحت جناب علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی نے "فضائل شعبان المعظم" نامی مختصر مضمون پر مشتمل ایک کتابچہ تحریر فرمایا تھا جس میں شب براءت کے سلسلہ میں عام طور پر پیش کی جانیوالی اور پیش کی جانیوالی احادیث پر روشنی ڈالتے ہوئے اور مختصر بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کیا تھا کہ پندرہ شعبان کا روزہ اور نصف ماہ شعبان کی شب بیداری وغیرہ بدعت سیئہ اور گمراہی ہے جس کو ابن جہنم جیسے کذابوں کی سنت کی پیروی اور مسلم دیوان کا نام تو دیا جا سکتا ہے لیکن سنت رسول ﷺ یا سنت صحابہ رضی ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس کتابچہ کو علماء و عوام الناس کے سامنے پیش کرنے پر پاکستان کے مفتی اعظم جناب مفتی محمد شفیع صاحب (مرحوم) نیو ٹاؤن مدرسہ کراچی کے علامہ محمد یوسف بنوری (مرحوم) اور بعض علماء اہل سنت و اہل حدیث نے اسکی تائید کی اور بعض نے خفگی کا اظہار کیا۔ بعض حضرات نے تردیدی جواب لکھنے کے عزم کا اظہار تو کیا، لیکن سالہا سال کی طویل مدت گزر جانیکے باوجود ایسا کرنے سے قاصر رہے۔

بعد ازیں حق کے متلاشی متعدد حضرات نے اس بات پر زور دیا کہ شب براءت کے سلسلہ میں مکمل تحقیق ہونی چاہیئے اور ایسی کتاب لکھی جانی چاہیئے جو کہ عوام کے علاوہ تحقیق کرنیوالوں کیلئے بھی حوالہ کا کام دے سکے۔ علامہ موصوف نے کاوش و چھان بین سے تقریباً ۵۷۱ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب تصنیف فرما کر اس ضرورت کو بھی پورا کر دیا ہے۔

کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ گئی ہے اور تقریباً ہر کتب فروش کے ہاں سے دستیاب ہے جس کے مطالعہ سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

کتابچہ ہذا اصل کتاب کا خلاصہ اور سابقہ کتابچہ کی ایک ترمیم شدہ شکل ہے۔ اس کے مطالعہ سے شب براءت کی حقیقت کو بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ جائز و صحت مند تنقید فراخ دلی کے ساتھ قبول کی جائے گی اور علمی بحث کی دعوت اسکی منتظر رہے گی اور خیر مقدم کرے گی۔

معتمد عمومی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تقریظ

(جناب علامہ شیخ محمد جعفر شاہ۔ سجادہ نشین پھلواری شریف)

مذہبی تقریب دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جسکی بنیاد کتاب اللہ یا سنت نبویؐ میں موجود ہے۔ مثلاً عید فطر اور عید الضحیٰ وغیرہ اور دوسری وہ جسکی کوئی اصل، کوئی بنیاد شریعت میں موجود نہیں۔ جیسے آخری چہار شنبہ کی خوشی، بارہ وفات کا سوگ وغیرہ۔ جس تقریب کی کوئی ممانعت موجود نہ ہو اسکے جواز میں کوئی شبہ نہیں لیکن اس میں دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اس میں مصالح امت غالب ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس پر فرائض و واجبات کی طرح پابندی و ملامت نہ ہو۔ اور اگر کسی وقت پہلوئے شر غالب آنیکا اندیشہ ہو تو اس کا ترک ضروری ہے۔

بڑی مشکل وہاں پیش آتی ہے جہاں کسی تقریب کا سراغ روایات میں ملتا ہو لیکن حقیقت میں مستند نہ ہوں۔ پھر دشواری اسوقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ جب صدیوں سے امت کا اس پر تعامل بھی رہا ہو۔

اسی قسم کی ایک تقریب شب برات (شبرات) بھی ہے۔ عوام و خواص سب میں اس قدر مقبول ہے کہ اگر اسے کوئی نہ منائے تو اسے قابل اعتراض و ملامت تصور کیا جاتا ہے۔ جن روایات پر اس تقریب کی بنیاد ہے وہ کتب احادیث میں تو موجود ہیں لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر وہ روایت صحیح بھی ہو جو کتابوں میں آ گئی ہو۔ احادیث میں جہاں دو چار متواتر روایات ہیں وہاں مشہور، مرسل، منقطع، معلق، ضعیف اور موضوع روایات بھی آ گئی ہیں۔ اسی لئے محدثین کو موضوعات پر مستقل تصانیف لکھنی پڑیں۔

حبیب الرحمان صاحب محدث کاندھلوی نے اپنی اس تالیف میں ان تمام روایات کا مکمل جائزہ لیا ہے جنکا تعلق شب برات سے ہے۔ علماء اس وقت فن رجال میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ میں سمجھتا تھا کہ حضرت علامہ تمنا عمادی پھلواریؒ کے بعد یہ فن دفن ہو گیا۔ لیکن علامہ حبیب الرحمان کاندھلوی کو دیکھکر یہ یقین کرنا پڑا کہ یہ فن ابھی پوری آب و تاب کیساتھ زندہ ہے۔ فاضل مولف نے اپنی اس تالیف میں محض فن رجال ہی سے کام لینے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ عقل و فہم اور تفقہ سے کام لیکر وہ سربستہ راز طشت از بام کئے ہیں جنکی طرف بڑے بڑے اہل علم کی بھی توجہ نہیں گئی تھی۔ انہوں نے یہ بھی بتلایا ہے کہ اس شب کا نام لیلۃ البراۃ کیوں رکھا گیا ہے اور کب اسکا آغاز ہوا اور راویوں کا اس سے کیا مقصد تھا اور اس سلسلہ میں جو روایتیں وضع کی گئی ہیں ان کا میزان جرح و تعدیل میں کیا مقام ہے۔ انہوں نے اس تقدس مذہب کی آڑ کے سامنے آنے والے راویوں کی پوری خانہ تلاشی لی ہے اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیا ہے۔ یہ تو علامہ کی ایک ابتدائی کاوش ہے۔ ابھی اس سے کہیں زیادہ اہم ایک اور تالیف زیر ترتیب ہے جسمیں چار پانچ ہزار ایسی روایات درج ہونگی جو خواص و عام میں مقبول ہیں لیکن وہ دراصل ضعیف، غیر معتبر یا موضوع ہیں۔ اس میں رجال کو سامنے رکھکر اسانید کے ساتھ ہی نفاد و تلاشی کی جا رہی ہے اور متن کو عقل کی کسوٹی پر بھی پرکھا جا رہا ہے۔ خدا کرے اسکی اشاعت بھی جلد ہو جائے (آمین)

محمد جعفر پھلواروی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

تقریباً آج سے بیس سال پیشتر اس ناچیز نے ایک کتابچہ تحریر کیا تھا، جو فضائل شعبان اور شب براءت سے متعلقہ روایات کی تحقیق پر مبنی تھا، اور جو آج تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔ اگرچہ یہ رسالہ بھی سرسری طور پر لکھا گیا تھا، اور خود میری نظر میں تشنہ تھا اس لئے بعد میں متواتر آٹھ دس سال تک اس موضوع پر تمام روایات کی چھان بین کر کے ایک تفصیلی کتاب تحریر کی گئی، جس کا نام "شب براءت ایک تحقیقی جائزہ" ہے۔ (یہ کتاب بھی جو تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہے، شائع ہو چکی ہے) —— اس کی ضخامت کے پیش نظر بعض احباب نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اتنی طویل ترین کتاب کا مطالعہ جہاں ہر شخص کے لئے دشوار ہے۔ وہاں اس کا فائدہ بھی محدود ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ایک مختصر سا کتابچہ ہو، جس سے ہر ایک استفادہ کر سکے۔ اس لئے یہ ایک مختصر سا کتابچہ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ جسے مزید تحقیق مطلوب ہو وہ ہماری تفصیلی کتاب کا مطالعہ کرے۔

اس کتابچہ میں اگرچہ اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ حتی الامکان اصل کتاب کے ضروری مضامین مختصر طور پر قارئین کی خدمت میں پیش کر دیئے جائیں۔ لیکن تب بھی اسے عین خلاصہ قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ بہت سے مضامین اور بہت سی روایات کی تحقیق کو صرف اس لئے نظر انداز کیا گیا کہ کہیں یہ کتابچہ بھی ایک طویل سفر اختیار نہ کر لے اور کتابچہ کے بجائے ایک طویل کتاب نہ بن جائے۔

شب برارت یا شب تبرا

سب سے اول سوچنے اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اس شب کو "شب براءت" کس لئے کہا جاتا ہے۔ اور کیا قرآن و سنت یا فقہ و تفسیر اور تاریخ میں اس نام کی کوئی شے پائی جاتی ہے یا نہیں؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ کب اور کیسے وجود میں آئی؟ اور کیا عربی زبان میں لفظ براءت اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے، جس معنی میں اردو میں استعمال کیا جاتا ہے؟

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ لفظ شب فارسی ہے، عربی میں اس کا نام "لیلۃ البرآءۃ" ہونا چاہیئے، یعنی براءت کی رات، اور جب تک لفظ براءت کے معنیٰ کی تحقیق نہ ہوگی۔ اس کا صحیح مفہوم علماء ذہن میں نہیں آسکتا۔

"براءت عربی زبان میں مصدر ہے۔ اسی سے اسم فاعل "بریٔ" بنا ہے۔ جس کی جمع برآء اور بریٔون آتی ہے۔ اس سے لفظ تبرّا بنا ہے۔ اسی لفظ براءت سے مصدر متعدی تبرا بنا ہے جیسے قرابت سے تقرب، عربی زبان میں یہ تمام الفاظ بیزاری اور نفرت کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں ان کے معانی میں کوئی فرق نہیں اور یہ ہماری کوئی ذاتی اور انفرادی رائے نہیں۔ بلکہ کتاب اللہ اور حدیثِ رسول میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ استعمال میں آیا ہے۔ اس نے یہی معنیٰ دیئے ہیں۔ اس لحاظ سے "لیلۃ البراءت" اور "لیلۃ التبرا" ہم معنیٰ ہیں یعنی تبرا کی رات۔ ہم اپنے اس دعوے کے ثبوت میں بطور نمونہ چند آیاتِ قرآنیہ اور احادیث پیش کرتے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ سورت براءت۔ ا

بیزاری کا حکم اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں کو جن سے تمہارا معاہدہ تھا۔

(ترجمہ احمد رضا بریلوی)

یہ سورت براءت کی ابتدائی آیت ہے اور اس سورت کے ساتھ بسم اللہ اسی لئے تحریر نہیں کی جاتی کہ اس میں مشرکین سے بیزاری کا اظہار ہے اور اس کی ابتداء لفظ براءت سے ہوتی ہے بقول حضرت علیؓ بسم اللہ تو امان کے لئے ہوتی ہے اور یہ سورت امان ختم کرنے اور تلوار نکالنے کے لئے نازل کی گئی۔ (قرطبی ج۔۴ ۲۹۰) اور بقول ابن عباسؓ یہ سورت تو رسوا کرنے والی ہے اس کی ابتداء میں بسم اللہ کیسے لکھی جاتی۔ حتیٰ کہ مفسرین نے اس سورت کا ایک نام فاضحہ بیان کیا ہے۔ یعنی رسوا کرنے والی۔ مبرد کا قول ہے کہ بسم اللہ رحمت کا سبب ہے اور سورت براءت عذاب بن کر نازل ہوئی ہے۔ اس لئے اس کی ابتداء میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔

قرطبی لکھتے ہیں کہ براءت کے معنی کسی شئے کو دل سے نکال دینا اور باہمی جو تعلق ہے

اسے ختم کر دینا اس کا نام براءت ہے۔ اسی سے بری بنا ہے (قرطبی ج ۲۰۶-۲۹۰)

لفظ "براءت" کا اسم فاعل بری آتا ہے جو اردو میں بھی مستعمل ہے اور اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان اُس الزام سے بیزار ہے جو اس پر لگایا جا رہا ہے۔ اس معنی میں بری الذمہ اور بری ہونا استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ
سورت توبہ۔ آیت ۲

اور ندا پکار دینا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن کہ اللہ بیزار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول۔

سورۂ انعام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے ستارے اور چاند کو دیکھ کر کہا یہ میرا رب ہے۔ پھر سورج کو دیکھنے کے بعد بھی یہ بات فرمائی۔ لیکن جب اسے غائب ہوتے دیکھا تو فرمایا۔

فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ٥
الانعام ۷۹

پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اے قوم میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔
(ترجمہ رضا بریلوی)

لفظ "بری" کی جمع برِیئون اور براء استعمال ہوتی ہے۔ سورۂ یونس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کہلوایا گیا ہے۔

أَنتُم بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ٥
یونس ۴۱

تم میرے عمل سے بیزار ہو اور میں تمہارے عمل سے بیزار ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی یہ اعلان کر دیا جاتا ہے۔

إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ
الممتحنہ۔ ۴

بیشک ہم بیزار ہیں تم سے اور ان سے جنہیں اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ (ترجمہ رضا)

قرآن میں یہ لفظ براءت اور بری جہاں جہاں استعمال ہوا ہے۔ اس نے بیزاری اور نفرت

کے معنی دیئے ہیں۔ اگر ان تمام آیات کو پیش کیا جائے تو ایک مزید کتابچہ تیار ہو جائے گا۔ اس لئے ہم صرف ان چند آیات پر اکتفا کرتے ہیں۔

امام بخاری نے سورت براءت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

قال بعثني ابوبكر في تلك الحجة في المؤذنين بعثهم يوم النحر يؤذنون بمنى الا لا يحج بعد العام مشرك ولا يطوف بالبيت عريان قال حميد ثم اردف النبي صلى الله عليه وسلم بعلي بن ابي طالب فامره ان يؤذن ببراءة قال ابوهريرة فاذن معنا علي في اهل منى يوم النحر ببراءة وان لا يحج بعد العام مشرك ولا يطوف بالبيت عريان۔ صحیح بخاری ج۲

مجھے ابوبکرؓ نے ان اعلان کرنے والوں کے ساتھ بھیجا جنہیں قربانی کے دن منیٰ میں اعلان کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، اور نہ بیت اللہ کا برہنہ طواف کرے۔ حمید راوی کا بیان ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ براءت کا اعلان کریں۔ ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ علیؓ نے ہمارے ساتھ مل کر قربانی کے دن منیٰ میں براءت کا اعلان کیا اور اس بات کا اعلان کیا کہ کوئی مشرک اس سال کے بعد حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ طواف کرے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا واقعہ آیا ہے، کہ وہ مرض میں مبتلا تھے اور ان کا سر ان کی بیوی کی گود میں تھا۔ اچانک ان پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی، ان کی بیوی اس تخیل کے تحت چیخنے چلانے لگی کہ ابوموسیٰؓ کا انتقال ہو گیا ہے۔ جب وہ ہوش میں آئے تو فرمایا۔

انا بريء ممن برئ منه رسول الله صلى الله عليه وسلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم برئ من الصالقة والحالقة والشاقة۔ بخاری ج۱۔ نسائی ج۱ ص۱۹۰

میں اس سے بیزار ہوں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیزار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چیخنے والی، بال نوچنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی سے بیزار ہیں۔

صحیح مسلم میں ایک باب ہے جس کا عنوان ہے باب موالات المؤمنین وبراءۃ من المشرکین

(مومنوں سے دوستی اور مشرکوں سے بیزاری کا بیان)

یہ تو وہ آیات اور احادیث تھیں جن میں لفظ "براءت" اور "بری" استعمال کیا گیا تھا۔ اب وہ آیات ملاحظہ کیجئے جن میں لفظ "تبرا" استعمال کیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ۔ براءت ۱۱۴ — جب ابراہیمؑ پر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔

نیز ارشاد ہے۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا۔ البقرہ ۱۶۶-۱۶۷ — جب بیزار ہوں گے پیشوا اپنے پیروؤں سے اور دیکھیں گے عذاب اور کٹ جائیں گی ان سب کی ڈوریں اور کہیں گے پیرو کاش ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا تو ہم ان سے بیزار ہو جاتے جیسے یہ ہم سے بیزار ہوئے۔ (ترجمہ رضا)

ان تمام آیات و احادیث سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو گئی کہ براءت اور تبرا ہم معنی ہیں۔ یعنی یہ دونوں لفظ بیزاری کے معنی دیتے ہیں اور "شب براءت" کے معنی ہیں "شب تبرا" یعنی شب بیزاری اور یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ اس شب میں رافضی اپنے فرضی امام کی پیدائش کی خوشی مناتے اور صحابۂ کرام اور تمام مسلمانوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ بلکہ شیعوں کی کتاب میں یہاں تک تحریر ہے کہ ان کے امام مہدی ظاہر ہو کر روئے زمین پر مومنین کی حکومت قائم کریں گے، اور ابوبکرؓ و عمرؓ کی قبروں سے لاشیں نکال کر انہیں پھانسی دیں گے اور تمام سنی یعنی مسلمانوں کو قتل کریں گے یہ الفاظ خود واضح تبرا ہیں اور یہ رات در اصل شب تبرا ہے، اور سنیوں کو بے وقوف بنانے کے لئے اولاً تو شب تبرا کے بجائے اس رات کا نام شب براءت رکھا گیا۔ ثانیاً اس رات کی عبادت اور قبرستان جانے کے قصے اس لئے وضع کئے گئے تاکہ سنیوں کو اصل حقیقت کا علم نہ ہو سکے۔ اسی لئے اکثر روایات میں مغفرت کا تو ذکر ہے۔ لیکن کسی عبادت

کا کوئی ذکر نہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی عبادت کچھ اور ہے اور سنیوں کی عبادت کچھ اور۔ اس لئے
ان روایات میں کسی عبادت کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

چونکہ شیعہ اس رات غاروں، دریاؤں اور کنوؤں پر جا کر اپنے امام کے نام پرچیاں ڈالتے
اور ان سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم ان سنیوں کے ہاتھوں بہت تنگ آ چکے ہیں۔ لہٰذا اب
تو آپ تشریف لائیے اور ان ملحدین سے ہمیں نجات دلائیے۔ اسی لئے خمینی اہل عراق اور تمام
مسلمانوں کو ملحدین کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اسی لئے پاکستان اور سعودی عرب کے خلاف زہر
اُگلا جاتا ہے۔ بلکہ حال ہی میں ایک کتاب فارسی میں ایران سے شائع ہوئی ہے۔ جس کا نام ہے۔
"خمینی فی القرآن" جس میں مصنف نے اس کی صراحت کی ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں یاایھا
الرسول اور یاایھا النبی کے الفاظ آئے ہیں اس سے مراد خمینی کی ذات ہے۔ اس سے آپ اندازہ
کر سکتے ہیں کہ انہیں اسلام سے کتنی عداوت ہے؟

الغرض اس شب میں وہ اپنے امام کی پیدائش کی خوشی میں حلوے پکاتے ہیں اور انہیں
اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ اگر سنیوں کو شب برأت کی حقیقت بتا دی گئی تو کہیں اس فرضی امام کو
سنی ختم نہ کر دیں، یا آج کل کے سنی اسے اپنا مہدی نہ بنا لیں۔ لیکن امام صاحب اپنے مؤمنین سے
اتنے خوفزدہ ہیں کہ وہ ان کی صورت دیکھتے ہی ڈر جاتے ہیں کہ چند سال کی عمر میں میری پشت
پر قرآن علیؓ، قرآن فاطمہؓ اور تمام ائمہ کے فرضی صحیفے لاد دیے گئے تھے۔ اب اگر میں باہر نکل
آیا تو پندرہ سو سال کی کتابیں لادنی پڑیں گی اسی لئے انہوں نے خمینی کی صورت میں پہلے اپنے
ایک نائب کو بھیجا ہے تاکہ پیش آئندہ حالات کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ پانچویں صدی ہجری کی ابتداء تک حدیث و تفسیر کی جتنی کتابیں تصنیف
کی گئیں اور اس سلسلہ کی جتنی روایات ان کتابوں میں نقل کی گئیں۔ ان میں سے کسی روایت میں لیلۃ
البرأت کا لفظ قطعاً نہیں پایا جاتا۔ بلکہ ہر روایت میں آپ کو یہ الفاظ ملیں گے۔ اذا کانت لیلۃ
النصف من شعبان یعنی جب نصف شعبان کی رات ہو۔ جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اس کا یہ

ا پانچویں صدی کے آخر میں وضع ہوا۔ اس کے واضع صوفیاء ہیں۔ اس رات کا نام ابن جہضم کی بہجۃ الاسرار، غزالی کی احیاء العلوم اور عبدالقادر جیلانی کی غنیۃ الطالبین میں ملتا ہے اور یہ سب پانچویں چھٹی صدی کے افراد ہیں اور سب صوفی ہیں۔ اتفاق سے ان لوگوں نے بھی جو روایات نقل کی ہیں، اُن روایات میں بھی اس کا کوئی نام مذکور نہیں۔

ممکن ہے کہ ابتداءً یہ نام اس لئے مخفی رکھا گیا ہو کہ پہلے پروپیگنڈے کے ذریعہ سنیوں کے ذہن میں اس رات کی فضیلت بٹھا دی جائے۔ تاکہ جب نام ظاہر کیا جائے تو سنی حضرات بدک نہ جائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نام بنو بویہ اور دیلمیوں کے زمانہ میں وضع کیا گیا ہو، کیونکہ وہ کٹر رافضی تھے اور ۳۲۲ھ سے ۴۴۷ھ تک بغداد پر قابض رہے۔ ان ہی میں سے ایک شخص معزالدولہ نے ۳۵۲ھ میں عشرۂ محرم میں ماتم کی ابتدا کی۔ موجودہ جمعے کے خطبات جو ہماری مساجد میں پڑھے جاتے ہیں یہ ان ہی کے وضع کردہ ہیں۔ اس نے خطبات میں سے عشرۂ مبشرہ اور حضور کی تین صاحبزادیوں کے نام خارج کئے۔ ازواج مطہرات کا ذکر حذف کر کے حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر داخل کیا گیا۔ اسی کے زمانہ میں اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ خلفائے راشدین چار ہیں۔ ورنہ اس سے قبل تمام سنی تین خلفائے راشدین کے قائل تھے۔

معزالدولہ نے مساجد کے دروازوں پر لکھوایا تھا۔ لعن اللہ علی ابی بکر و عمر و عثمان و معاویۃ و عمرو بن العاص وغیرہ ذلک جسے سنیوں نے مٹا دیا۔ یہ جھگڑا کافی عرصہ چلتا رہا اور اس بات پر فیصلہ ہوا کہ مسجدوں میں خلفائے اربعہ کے نام لکھے جائیں۔ اس پر سنیوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ لیکن جب ۴۴۷ھ میں بنو بویہ کی حکومت ختم ہو گئی۔ تو سنیوں نے چاروں خلفاء کے نام کے ساتھ مساجد میں امیر معاویہ کا نام بھی لکھ دیا۔ اس طرح خلفائے راشدین کی تعداد پانچ ہو گئی۔

ایسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ بنو بویہ رافضیوں نے شب برآءت کا سلسلہ جاری کیا ہو اور اس کے فضائل لوگوں میں پھیلائے ہوں۔ جہاں سے صوفیاء نے لے اڑے کیونکہ صوفیاء میں کوئی فرد واحد ایسا نہیں گزرا جس نے حدیث میں تحقیق سے کام لیا ہو۔ حتیٰ کہ غزالی جو امامت کے رتبہ پر آج کل فائز سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ حدیث کی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ یہ بھی صرف بطور تبرک۔

لیلۃ مبارکہ کی تغییر

ہمارے ہند و پاک اور عجمی علماء نے مزید یہ کارنامہ انجام دیا کہ کلام اللہ کی ایک محتمل المعنیٰ آیت کا سہارا لے کر اور پھر اس کی غلط تاویل پیش کر کے پوری عمارت تعمیر کر دی۔ یہ حضرات بطور دلیل حسب ذیل آیات پیش کرتے ہیں۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ○ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ○ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ○ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○
الدخان-۲-۳-۴-۵

بیشک ہم نے اسے برکت والی رات میں اتارا ہے۔ بیشک ہم ڈر سنانے والے ہیں، اس میں بانٹ دیا جاتا ہے ہر حکمت والا کام، ہمارے پاس کے حکم سے، بیشک ہم بھیجنے والے ہیں، تمہارے رب کی طرف سے رحمت بیشک وہی سنتا جانتا ہے۔ (ترجمہ رضا ہے)

یہ آیات سورۂ دخان کی ابتدائی آیات ہیں، جو کہ مکہ میں واقعۂ معراج سے قبل نازل ہوئی۔ اس وقت تک نماز پنج گانہ بھی فرض نہ ہوئی تھی اور روزے تو ۲ھ میں فرض ہوئے اور نماز معراج کے وقت فرض ہوئی اور نہ مکہ میں بقیع نام کا کوئی قبرستان تھا۔ اس طرح قبرستان کے چکر لگانے یا اس رات عبادت کرنے یا اس دن میں روزہ رکھنے سے اس آیت کا کیا تعلق ہے؟ ان آیات کریمہ میں چار امور ذکر کئے گئے ہیں۔

۱۔ اس مبارک رات میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔
۲۔ اس شب میں تمام احکامات کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔
۳۔ اس شب میں نزول رحمت ہوتا ہے۔
۴۔ یہ رات مبارک رات ہے۔

یہ رات کون سی ہے؟ اس کا نام کیا ہے؟ یہ سال میں کب آتی ہے؟ اور یہ کس مہینے کی رات ہے؟ ان تمام امور سے یہ آیات خاموش ہیں۔ ان آیات میں صرف اتنی بات ظاہر کی گئی ہے کہ یہ

رات مبارکہ جو کسی رات کی تعریف و توصیف تو ہو سکتی ہے، لیکن یہ کسی رات کا نام نہیں ہو سکتا اور اگر بالفرض والمحال یہ کسی رات کا نام بھی ہے، تب بھی اس آیت میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ کون سی رات کا نام ہے۔ اس طرح یہ آیت اپنے مفہوم کی قطعاً وضاحت نہیں کرتی۔

یہ بھی ایک مسلمہ اصول ہے کہ قرآن اپنی تفسیر آپ ہے، کیونکہ جو شے ایک مقام پر مجملاً ذکر کی جاتی ہے، قرآن دوسرے مقام پر اس کی تشریح مزید کرتا ہے، اس لحاظ سے یہ لازم ہے کہ اس کی وضاحت بھی قرآن میں دوسرے مقام پہ کی گئی ہو ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۝ لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ۝ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓىِٕكَةُ وَالرُّوۡحُ فِیۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ مِّنۡ كُلِّ اَمۡرٍ ۝ سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ۝ القدر

بیشک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا اور تم نے کیا جانا کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر، اس میں فرشتے اور جبریل اترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لئے وہ سلامتی ہے صبح چمکنے تک۔ (ترجمہ احمد رضا)

ان آیات کریمہ میں جو دعوے کئے گئے ہیں بعینہ وہی دعوے ہیں جو سورۂ دخان کی آیات میں کئے گئے تھے یعنی

۱۔ اس رات میں قرآن نازل کیا گیا ہے۔
۲۔ اس رات میں تمام امور کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔
۳۔ اس رات میں صبح صادق تک رحمت و سلامتی کا نزول ہوتا ہے۔

فرق صرف اتنا ہے کہ سورۂ دخان کی آیات میں اس رات کو لیلۃ مبارکہ سے تعبیر کیا گیا، اور سورۂ قدر میں لیلۃ القدر سے کیونکہ اس شب میں تمام امور کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس رات کا نام لیلۃ القدر اور اس لحاظ سے کہ اس میں رحمت نازل ہوتی ہے۔ اس رات کا نام لیلۃ مبارکہ ہے بیان کیا گیا۔

ہجرت مدینہ تک قطعاً اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی تھی کہ نزول قرآن کی یہ رات

کون سے مہینے میں واقع ہوتی ہے۔ اُس وقت تک تو یہ اشکال پیدا ہو سکتا تھا کہ وہ ماہ شعبان یا کسی اور ماہ کی کوئی رات ہو۔ لیکن جب ۲ھ میں روزوں کی فرضیت کے ساتھ ساتھ یہ آیت نازل کر دی گئی۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ۔ البقرہ ۱۸۰ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا۔ ترجمہ اتارا گیا۔

پھر آگے فرمایا گیا۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۔ البقرہ ۱۸۵ تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اسکے روزے رکھے۔

ان آیات نے یہ بات واضح کر دی کہ وہ رات رمضان میں واقع ہوتی ہے بلکہ رمضان میں جو روزے فرض کئے گئے اور رمضان کو جو بھی فضیلت حاصل ہے وہ اس شب نزول قرآن کے باعث ہے، اب خواہ اسے لیلۃ القدر کہیں یا لیلۃ مبارکہ یا لیلۃ الرحمہ، یہ ایک ہی رات ہے، اور اس کا رمضان میں ہونا لازم ہے۔ اسی رات کے باعث رمضان میں قیام رمضان اور آخر عشرہ میں اس کی تلاش میں قیام لیلۃ القدر کا حکم دیا گیا اور ارشاد فرمایا گیا۔

من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ۔ نسائی ج ۱ ۲۲۲

جو رمضان میں ایمان رکھتے ہوئے ثواب کی امید میں قیام کرے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا گیا۔

من قام لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ۔ نسائی ج ۱ ۲۲۲

جس نے لیلۃ القدر میں ایمان رکھتے ہوئے اور ثواب کی نیت سے قیام کیا۔ اسکے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

اگر لیلۃ القدر سے مراد شب برات تھی اور تقدیر اسی رات میں لکھی جاتی تھی، تو پھر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمانا چاہیئے تھا۔

من قام شعبان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ جس نے ایمان رکھتے ہوئے اور ثواب

کی غرض سے شعبان کا قیام کیا اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

اور

من قام لیلۃ البراءۃ ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ	جس شخص نے لیلۃ البراءت میں ایمان لاتے ہوئے اور ثواب کی نیت سے قیام کیا اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

لیکن ایسا نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ کسی روایت میں لیلۃ البراءت کا لفظ تک استعمال نہیں کیا گیا جس کی تفصیل لفظ براءت کی تحقیق میں گزر چکی۔ یاد رکھیئے کہ رمضان سے باہر کسی مبارک رات کا کوئی وجود نہیں۔ اس کی مزید تائید سورۂ انفال کی ایک اور آیت سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد ہے۔

وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ الانفال ۴۱ — اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن اتارا جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں۔ (ترجمہ رضا)

یعنی اس قرآن کا نزول یوم فرقان میں ہوا اور یوم فرقان وہ روز ہے، جس دن دو جماعتیں باہم ٹکرائی تھیں اور اس پر تمام امت متفق ہے کہ یوم فرقان سے مراد روز بدر ہے اور دو جماعتوں سے مراد صحابۂ کرام اور مشرکین مکہ ہیں اور اس پر پوری اُمت کا اتفاق ہے کہ جنگ بدر سترہ رمضان کو واقع ہوئی۔

ان تمام آیات کو جمع کرنے کے بعد جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید رمضان کی کسی شب میں نازل کیا گیا اور اسی شب کا نام لیلۃ القدر اور لیلۃ مبارکہ ہے۔ اب اگر جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ قرآن شب براءت میں نازل ہوا اور لیلۃ مبارکہ سے شب براءت مراد ہے جہاں وہ قرآن کی تکذیب کر رہا ہے۔ وہاں دبے الفاظ میں وہ یہ بھی دعویٰ کر رہا ہے کہ جنگ بدر شعبان میں واقع ہوئی اور اللہ تعالیٰ کو چاہیئے تھا کہ وہ رمضان المبارک کے بجائے شعبان کے روزے فرض کرتا۔ اس میں قیام اور اعتکاف کا حکم دیا جاتا۔ گویا عیاذاً باللہ، اللہ تعالیٰ

نے ایک صریح غلطی کا ارتکاب کیا۔

اس حماقت کا زبردستی یہ حل تلاش کیا گیا کہ قرآن مجید دوبار نازل ہوا ہے، کیونکہ عجمی علماء کا ذہن یہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ صوفیاء جس رات کی فضیلت کے گن گاتے رہے ہوں، اُس کا اس فضیلت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہ ہو اور ہماری شخصیت پرستی اور پیر پرستی ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم صوفیاء کی غلطی کو تسلیم کر لیں۔ اس لئے یہ تو ممکن نہیں کہ صوفیاء سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو۔ بہتر یہ ہے کہ قرآن کی تاویل کر لی جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے غلطی ممکن ہے اور شیعوں کے یہاں اس کا وجود بھی ہے۔ جسے مسئلہ بدا کہتے ہیں۔ یہ سب شخصیت پرستی اور اندھی تقلید کے نتیجے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے پیروں اور بزرگوں کی مدافعت میں موضوع اور منکر روایات کا سہارا لیتے ہیں۔ حالانکہ ہند و پاک کے ایک مشہور صوفی یعنی شیخ احمد سرہندی اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں۔

عمل صوفیا در حلت و حرمت حجت نیست، همیں بس است کہ ما آنہا را معذور داریم۔

حلت و حرمت میں صوفیاء کا عمل حجت نہیں ہے یہی کافی ہے کہ ہم انہیں معذور تصور کر لیں۔

دوسرے مقام پر ایک شرعی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

در ین جا قول ابی بکر شبلی و جنید بغدادی و بایزید بسطامی ہیچ اعتبارے ندارد، در ین جا قول ابی حنیفہ و مالک و شافعی وابی یوسف و محمد بن الحسن اعتبارے دارد

ان مسائل فقہیہ میں جنید بغدادی، بایزید بسطامی اور ابوبکر شبلی کا قول کچھ اعتبار نہیں رکھتا۔ اس جگہ ابوحنیفہ، مالکؒ، شافعی، ابو یوسف اور محمد بن الحسن کا قول اعتبار رکھتا ہے۔

جس طرح فقہی مسائل میں ابو حنیفہ، مالک، شافعی، اور احمد بن حنبل وغیرہ کے اقوال کا اعتبار کیا جائے گا۔ اسی طرح حدیث میں یحییٰ بن سعید القطان، عبدالرحمان بن مہدی، بخاری، نسائی، یحییٰ بن معین، ابوزرعہ اور ابوحاتم کے اقوال کو دیکھا جائے گا۔ نہ کہ ان صوفیاء کے اقوال کو جنہیں صحیح و سقیم کی بھی تمیز نہیں۔

اصولِ تفسیر اور اصولِ فقہ کا یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب کسی آیت کے معنی محتمل اور مشتبہ ہوں تو اس کے معنی کی تعیین محکم و مفسر آیت سے کی جائے گی اور وہی معنی مراد لئے جائیں گے جن کی تائید محکم و مفسر آیات کر رہی ہیں، محکم و مفسر کی موجودگی میں متشابہ کا اختیار کرنا سراسر گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ
(آل عمران)

وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں، گمراہی (و فتنہ) چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو۔
(ترجمہ رضا)

ان پیر پرست علماء نے محکم و مفسر کو چھوڑ کر متشابہ پر اپنی بنیاد قائم کی۔ تاکہ صوفیاء کی غلطی کا کسی نہ کسی طرح ازالہ کیا جائے اور بطور دلیل عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضؓ کا قول پیش کیا۔ کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد شب برات ہے۔ حالانکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ، حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ، امام سعید بن المسیب، امام مجاہد، حسن بصری، ضحاک، زید بن اسلم، قتادہ، ابو العالیہ اور ابو مالک کا قول یہ ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہے اور بعد کے علماء میں ابن عربی، ابن قیم، ابن دحیہ، ابن تیمیہ، ابن جریر، ابن کثیر، قرطبی، نووی، جلال الدین سیوطی، ابو بکر جصاص رازی، بدر الدین عینی حنفی، امام طحاوی حنفی، عبدالحق حقانی، ملا علی قاری، فخر الدین رازی اور بغوی وغیرہ۔ یہ تمام علماء مفسرین و محدثین اس پر متفق ہیں کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ لیکن ان تمام علماء کی تقلید چھوڑ کر عکرمہ کی تقلید صرف اس لئے کی گئی کہ اس سے صوفیاء کے قول کی تائید ہوتی تھی۔ حالانکہ یہ عکرمہ خارجی تھا، اور تمام مسلمانوں کا قتل فرض سمجھتا تھا، امام سعید بن المسیب، ابن عون، محمد بن سیرین، حماد بن زید اور امام مالک اسے کذاب کہتے ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضؓ کے صاحبزادے علی بن عبداللہ بن عباس نے اسے بیڑیوں میں باندھ کر ڈال دیا تھا۔ جب ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی۔ تو انہوں نے فرمایا۔

هٰذَا الْخَبِيْثُ يَكْذِبُ عَلٰى اَبِيْ — یہ خبیث میرے باپ پر جھوٹ بولتا ہے۔

اسی باعث امام مالک اور امام مسلم نے اس سے کوئی روایت نہیں لی اور عکرمہ کے اس قول کو تمام محدثین نے منکر قرار دیا اور بعد کے تمام محدثین و مفسرین اس قول کو رد کرتے رہے۔ عکرمہ کا اصل قول کیا ہے۔ وہ ہم امام قرطبی کے الفاظ میں آگے پیش کریں گے۔

شب براءت اور اس امر کے ثبوت کے لئے کہ لیلۃ مبارکہ سے شب براءت مراد ہے جہاں کچھ جعلی اور من گھڑت روایات کا سہارا لیا گیا۔ وہاں بعض صحابہ، تابعین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب صریح جھوٹ بھی منسوب کیا گیا۔ جس کی مین مثال عبداللہ بن عباس رض کا قول ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رض کے ارشادات کی حقیقت

عکرمہ نے عبداللہ بن عباس رض کی جانب یہ قول منسوب کیا کہ وہ لیلۃ مبارکہ سے شب برأت مراد لیتے تھے اور سورۂ دخان کی آیات کی تفسیر میں یہ الفاظ ان کی جانب منسوب کئے گئے۔

من عکرمۃ عن ابن عباس فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝ قال لیلۃ النصف من شعبان یبین فیھا امرالموتی ویسنم فیھا الحاج فلا یزاد فیھم ولا ینقص
میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۵۱

عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس آیت فیھا یفرق کل امر حکیم سے تو نصف شعبان کی شب ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ مردوں کے نام ظاہر فرماتا ہے اور اس رات میں حاجیوں کے نام مٹائے جاتے ہیں۔ پھر ان میں نہ زیادتی کی جاتی ہے نہ کمی (اس عبارت کا اصل ترجمہ یہی ہے)

حالانکہ عربی زبان کے لحاظ سے اس کی عربی تک درست نہیں۔ دراصل یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نہیں، بلکہ عکرمہ کا اپنا قول ہے۔ اور عبداللہ بن عباس رض کے صاحبزادے کے بقول یہ عکرمہ خبیث میرے باپ پر جھوٹ بولتا ہے اور بقول سعید بن المسیب کہ انہوں نے مرتے وقت اپنے غلام برد سے فرمایا۔

یا برد لا تکذب علی کما کذب عکرمۃ علی ابن عباس اے برد مجھ پر اس طرح جھوٹ نہ بولنا جس طرح

عکرمہ ابن عباسؓ پر جھوٹ بولتا ہے۔

اس قسم کی وصیت اسی وقت ممکن ہے جب کہ عکرمہ اپنے جھوٹ میں شہرت حاصل کر چکا ہو بغیر شہرت اس قسم کی وصیت ممکن ہی نہیں۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ امام سعید بن المسیب ایک صحابی کے صاحبزادے اور ایک صحابی کے پوتے ہیں۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اور سینکڑوں صحابہ سے استفادہ علم کیا اور ۹۴ھ میں انتقال ہوا۔ محدثین انہیں سید التابعین کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ ان حضرات میں سے ہیں جن کی مرسلات بھی محدثین قبول کرتے ہیں اور جب یہ وصیت کی جا رہی تھی تو عکرمہ زندہ تھا۔ کیونکہ اس کی موت ۱۰۵ھ میں واقع ہوئی۔ گویا ۹۴ھ سے قبل ہی عکرمہ اپنے جھوٹ میں مشہور زمانہ ہو چکا تھا۔ کیونکہ اسے جھوٹا قرار دینے والوں میں سعید بن المسیب اور امام مالک مدینہ کے باشندہ ہیں اور محمد بن سیرین بصرہ کے باشندہ اور حماد بن زید کوفہ کے باشندہ ہیں۔ حتیٰ کہ امام حماد بن زید نے وفات کے وقت یہاں تک فرمایا کہ یہ عکرمہ کہا کرتا تھا کہ قرآن تو نازل لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ عیاذاً باللہ۔ امام ذہبی ان الفاظ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں یہ الفاظ کتنی خباثت اور گمراہی سے معمور ہیں۔

ایسی صورت میں یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب جو بات منسوب کی ہے وہ درست ہے۔ اسی لئے امام ذہبی نے میزان میں اور ابن عدی نے کامل میں اس قول کو منکر قرار دیا ہے۔ میزان ج ۲- ص ۱۵۵

اتفاق سے بعض محدثین نے اس عکرمہ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ جس کی وجہ محدثین کا ایک خاص اصول ہے اور وہ اصول یہ ہے کہ خارجی طبقہ جھوٹ کو کفر کہتا تھا۔ لہٰذا اس کا جھوٹ بولنا ممکن نہیں۔ اسی لئے متعدد محدثین نے اس سے روایات لی ہیں۔ لیکن امام حماد بن التوفی ۱۷۹ھ فرماتے ہیں ہم بھی پہلے یہی تصور کرتے تھے کہ خارجی جھوٹ نہیں بولتے، لیکن تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ اس طبقہ کے افراد بھی جھوٹ کے مرض میں مبتلا ہیں . . . بلکہ عکرمہ ان کا سرخیل ہے اس لئے کہ مجھے [illegible]ھ سے قبل کوئی ایسا خارجی نظر نہیں آتا جس کی جانب جھوٹ کی نسبت کی گئی ہو۔

بہرصورت یہ اتنا بدنام زمانہ تھا کہ جس روز اس کا انتقال ہوا، اسی روز امام کُثیر عزہ کا بھی انتقال ہوا۔ شہر کے تمام باشندے کثیر کے جنازے میں شریک ہوئے، لیکن عکرمہ کے جنازے پر کوئی پھٹکا تک نہیں۔ صرف چند سوڈانی غلاموں نے اسے دفنایا۔ امام ذہبی نے یہ تمام حالات میزان الاعتدال میں تحریر فرمائے ہیں۔

شب برأت کا اصل بانی مبانی یہی ہے۔ کیونکہ اس نے لیلۃ المبارکہ سے لیلۃ البرأت مراد لی تھی اور بعد میں اس کے اس قول کو پیش نظر رکھ کر شیعہ اور صوفیا نے اس پر ایک عمارت تعمیر کر دی۔

چونکہ بعض محدثین نے اسے ثقہ قرار دیا تھا اسی باعث ابن عدی اور ذہبی نے ابن عباسؓ کی جانب اس جھوٹ کا واضع عکرمہ کے بجائے عکرمہ کے شاگرد اسمٰعیل بن نفر کو قرار دیا۔ کیونکہ اسمٰعیل بن نفر کے علاوہ یہ قول اور کوئی روایت نہیں کرتا۔ خواہ اس کا واضع عکرمہ ہو یا اسمٰعیل بن نفر مقصود سب کا یہ ہے کہ یہ ابن عباسؓ کا قول قطعاً نہیں۔

یہ اسمٰعیل بن نفر کون ہے۔ ابن عدی اور ذہبی اس کا خاکہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ ذہبی کے الفاظ ہیں۔

یہ اسمٰعیل بن نفر کوفہ کا باشندہ ہے قبیلہ بجیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی کنیت ابوالمغیرہ ہے ۱۵۲ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ محدثین کے نزدیک یہ قابل قبول نہیں۔ یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں یہ کچھ نہیں۔ نسائی اور ابو زرعہ کہتے ہیں قوی نہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں اس کی غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے اس کی روایت ترک کر دی گئی۔ میزان ج۱ صفحہ ۲۵۵

نسائی کتاب الضعفاء میں فرماتے ہیں یہ قوی نہیں۔ کتاب الضعفاء کے حاشیہ میں امام احمد بن حنبل کا قول نقل کیا گیا ہے کہ یہ اسمٰعیل بن نفر تو سند بھی یاد نہ رکھ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ ابوبکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں اس نے جتنے اقوال اور روایات اسمٰعیل بن قیس کی جانب منسوب کی ہیں۔ وہ سب زید بن اسلم کی روایات ہیں۔ کتاب الضعفاء لنسائی صفحہ ۱۰

یعنی اس اسمٰعیل بن نفر کا حافظہ اتنا خراب تھا کہ کسی کی روایت کو یاد نہ رکھ سکتا تھا۔ زید بن

اسلم کے اقوال اسمٰعیل بن قیس کی جانب منسوب کر دیئے۔ اسی طرح اس مقام پر عکرمہ کا قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب منسوب کر دیا۔ اب خواہ یہ جرم اسمٰعیل بن آفر نے کیا ہو یا خود عکرمہ اس جرم کا مرتکب ہوا ہو، بہرصورت اس سے کسی صورت میں انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ جرم سرزد ہوا ہے۔ اسی لئے کسی محدث اور مفسر نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب اس قول کی نسبت نہیں کی۔ بلکہ تمام مفسرین نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو قول نقل کیا ہے۔ وہ پیش خدمت ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ فِیۡهَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ۝ قال ابن عباس یحکم اللہ امر الدنیا الی قابل فی لیلۃ القدر ما کان من حیات او موت او رزق

تفسیر قرطبی ج ۔ ۷ ص ۵۹۴۶

فیہا یفرق کل امر حکیم کی تفسیر میں ابن عباس فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر میں آئندہ سال تک تمام دنیاوی امور کا حکم دیتا ہے۔ خواہ زندگی ہو یا موت یا رزق۔

یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے اور اسی میں تمام امور کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ لیکن عکرمہ خارجی وہ واحد ہستی ہے جو اس امر کی مدعی ہے کہ

ھی لیلۃ النصف من شعبان یبرم فیہا امر السنۃ وینسخ الاحیاء من الاموات ویکتب الحاج فلا یزاد فیہم احد ولا ینقص منہم احد

قرطبی ج ۔ ۷ ص ۵۹۴۹

یہ لیلۃ مبارکہ نصف شعبان کی شب ہے۔ اس میں سال بھر کے احکامات دیئے جاتے ہیں اور زندوں کے نام مردوں کی فہرست سے مٹائے جاتے اور حاجیوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ پھر ان میں نہ اضافہ کیا جاتا ہے اور نہ کمی۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب جو قول منسوب کیا گیا تھا وہ دراصل عکرمہ خارجی کا قول تھا اور چونکہ بقول امام حماد بن زید اس عکرمہ کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ قرآن تو گمراہی کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ اس لئے اس نے لیلۃ مبارکہ کی تفسیر لیلۃ البراءت سے کر کے امت میں ایک نئی گمراہی کا دروازہ کھول دیا۔ یہ ہے وہ مفسرِ اعظم جس کے قول کو صوفیا اور ہندوپاک کے پیر پرست

علماء سینے سے لگائے بیٹھے ہیں اور ہر سال شب رات کے موقعہ پر سورۃ دخان کی آیات تلاوت کر کے اور عکرمہ خارجی کا قول دلیل میں پیش کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ہماری ان سے عرض یہ ہے کہ عکرمہ کے دیگر اقوال میں بھی اس کی تائید کیجئے۔ پھر دیکھیئے کہ کیسا تماشہ نظر آتا ہے۔ اگر اس کے اقوال آپ کے علم میں نہ ہوں تو ہم اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔

عکرمہ کے اس قول کو پیش نظر رکھ کر بعد کے کذابین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب بھی کچھ جھوٹی باتیں منسوب کر دیں۔ جن میں سے ایک روایت عثمان بن المغیرہ کی ہے۔

عثمان بن المغیرہ کی روایت

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقطع الآجال من شعبان الی شعبان حتی ان الرجل ینکح ویولد لہ ولد۔
اخرج اسمہ فی الموتی۔ قرطبی ج ۱۶ ص ۱۲۸
تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۳۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شعبان سے شعبان تک موتوں کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک شخص نکاح کرتا یا اس کے اولاد ہوتی ہے حالانکہ اس کا نام مُردوں کی فہرست میں داخل کیا جاتا ہے۔

عثمان بن المغیرہ کی اس روایت کو اگر فرشتے بھی نقل کرتے تب بھی یہ قابل اعتنا نہ ہوتی۔ کیونکہ عثمان بن مغیرہ کوئی صحابی نہیں۔ بلکہ چھوٹے درجہ کا تابعی ہے اور یہ روایت مرسل ہے۔ اور پھر قرآن کے سراسر خلاف ہے۔ اسی لئے حافظ ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد یہ فیصلہ بھی دیا۔

ھذا حدیث مرسل ومثلہ لا یعارض بہ النصوص
تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۳۷

یہ حدیث مرسل ہے اور اس قسم کی روایات قرآن کے مقابلہ پر پیش نہیں کی جا سکتیں۔

یعنی جہاں یہ روایت مرسل ہے وہاں قرآن کی آیات کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ امام ابن کثیر نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے جو شخص شبرات مراد لیتا ہے۔ اس نے قرآن کی صریح مخالفت

کی۔ اور انتہائی خلاف عقل بات کی۔ لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ اس لئے یہ روایت مردود ہے۔ یہ ابن کثیر کا فیصلہ ہے۔

ہمارے نزدیک محدثانہ نقطۂ نگاہ سے اس روایت میں ایک اور زبردست عیب پایا جاتا ہے۔ اولاً اس کی سند سُن لیجئے۔ اسے مغیرہ بن اخنس سے امام زہری اور امام زہری سے امام لیث بن سعد المصری نقل کر رہے ہیں۔ زہری اور لیث علم حدیث میں ایک ستون کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کی ذات اس جھوٹ سے قطعاً پاک ہے۔ مغیرۃ بن الاخنس بھی ثقہ راوی ہیں۔ پھر یہ جھوٹ کہاں سے آیا اور کس نے ان حضرات کی جانب اس جھوٹ کو منسوب کیا ؟

جب ہم آگے بڑھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ امام لیث سے اس روایت کو نقل کرنے والا عبداللہ بن صالح ہے۔ جو امام لیث بن سعد کا کاتب تھا۔ تمام فساد کی ابتدا یہیں سے ہوئی ہے۔ امام سعید بن منصور کا بیان ہے کہ یہ اتنا مغفل انسان تھا کہ اگر زمین پر کوئی کاغذ کا پرزہ اسے مل جاتا اور اس میں کوئی روایت لکھی ہوتی تو اسے امام لیث اور زہری کی جانب منسوب کر دیتا۔ امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں۔ یہ ایک پاگل انسان تھا۔ اس کا پڑوسی اس کا دشمن تھا۔ وہ کاغذ پر فرضی روایات لکھ کر اس کے گھر میں ڈال دیتا۔ وہ اسے امام لیث کی روایت سمجھ کر امام لیث کا نام لے کر بیان کرتا۔ نسائی کہتے ہیں وہ ثقہ نہیں ہے۔ صالح جزرہ کہتے ہیں کذاب ہے۔ علی بن المدینی فرماتے ہیں میں اس کی کوئی روایت قبول نہیں کرتا۔ امام احمد فرماتے ہیں وہ ابتدا میں تو اچھا آدمی تھا۔ لیکن آخر میں غلط احادیث بیان کرنی شروع کر دیں۔ سنہ ۲۲۳ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ میزان ج ۲ ابوالفضل المقدسی۔ تذکرۃ الموضوعات میں فرماتے ہیں۔ یہ عبداللہ بن صالح کذاب ہے۔ روایات گھڑتا ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ نہ تو یہ روایت مغیرۃ بن اخنس نے بیان کی تھی، نہ امام زہری نے اور نہ امام لیث اس کے ذمہ دار ہیں۔ بلکہ یہ عبداللہ بن صالح نے گھڑ کر یا کسی فرضی زمین

پر پڑے ہوئے پرچہ کو دیکھ کر ان حضرات کی جانب منسوب کی اور یہ روایت دو سو سال بعد وجود میں آئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان حضرات محدثین کی ذات اس جھوٹ سے مبرا ہے۔

امام لیث بن سعد بہت بڑے درجہ کے فقیہ اور بہت بڑے درجہ کے محدث ہیں، اور امام مالک کے ہم عصر ہیں۔ حتیٰ کہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ لیث مالک سے زیادہ فقیہ اور عالم بالحدیث ہیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے حدیث میں امام مالک کی ستر غلطیاں پکڑیں اور امام مالک کو تحریر کر کے بھیجیں۔ لیکن افسوس کہ امام لیث کو اچھا شاگرد نہ مل سکا۔ ورنہ شاید آج روئے زمین پر امام لیث کا مسلک بھی پایا جاتا۔ محدثین اور فقہاء ان کی آراء جگہ جگہ نقل کرتے ہیں۔ امام لیث کی وفات شعبان ۱۷۵ھ میں ہوئی۔ یہ ہے اس روایت کی حقیقت جسے ہمارے ملا مجلس گرم کرنے کے لئے لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ ان کی دکانداری اسی قسم کی فرضی روایات پر قائم ہے۔

بلقیع کی کہانی

ہمارے علماء شب برات کے موقعہ پر اپنے مضامین اور تقاریر میں جہاں متعدد فضائل کی کہانیاں بیان کرتے ہیں۔ ان میں انتہائی شد و مد کے ساتھ قصہ بلقیع ضرور نقل کیا جاتا ہے اور اسے خصوصیت کے ساتھ اس لئے بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ وہ واحد کہانی ہے جو صحاح ستہ میں سے ترمذی اور ابن ماجہ میں پائی جاتی ہے۔ جہاں تک ابن ماجہ کا تعلق ہے تو اسے صرف ہند و پاک کے کچھ متاخرین صحاح میں داخل سمجھتے ہیں۔ ورنہ اکثر محققین اور محدثین اسے صحیح کتاب قطعاً تصور نہیں کرتے۔ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز نے اسے تیسرے درجہ کی کتاب قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اسے صحاح سے خارج قرار دیتے ہیں۔ امام نووی صرف پانچ کتابوں کو صحیح کہتے ہیں۔ علامہ ابن رشیق اندلسی صرف تین کتابوں کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ ابن الاثیر نے صحاح ستہ میں ابن ماجہ کے بجائے

مؤطا امام مالک کو داخل کیا۔ ابن جوزی نے ابن ماجہ کی چالیس روایتوں کو موضوع قرار دیا۔ ذہبی کہتے ہیں۔ ابن ماجہ میں چالیس سے زیادہ موضوع اور ایک ہزار سے زائد منکر روایات پائی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ حافظ مزی نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ جو روایت صرف ابن ماجہ میں پائی جاتی ہو وہ مزور منکر و مردود ہے اور حافظ ابن حجر اس قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں اگرچہ یہ کوئی کلیہ نہیں لیکن ابن ماجہ کی اکثر روایات کی حالت یہی ہے۔ لہٰذا ابن ماجہ کا کسی روایت کو نقل کرنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

جہاں تک ترمذی کا تعلق ہے تو وہ صاحبِ علم ہیں اور فن رجال سے واقفیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنا فریضہ کا حقہ ادا کر دیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس دور کے علماء ان کے فیصلہ کو بیان نہ کریں اور شیر مادر سمجھ کر ہضم کر جائیں۔ اس لئے کہ اگر یہ علماء امام ترمذی کا وہ قول بھی نقل کر دیں تو قصۂ بقیع کی تمام عمارت زمین کے برابر ہو جائے گی۔ پھر یہ مجمعے کیسے لگیں گے اور بازار میں ان کے مصنوعی مال کی مارکیٹ کیسے قائم ہوگی۔

امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ نے اپنی کتاب میں یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ جب نصف شعبان کی شب ہوئی (یہاں رات کا کوئی نام نہیں لیا گیا) تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بستر پر نہیں پایا۔ میں نے آپ کا پیچھا کیا۔ تو آپ بقیع میں کھڑے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد آپ لوٹے اور فرمایا اے عائشہؓ کیا تو یہ سمجھتی ہے کہ اللہ کا رسول تیرے ساتھ زیادتی کرے گا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ میں یہ سمجھی تھی کہ آپ اپنی کسی اور زوجہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے عائشہؓ تجھے معلوم ہے کہ آج کون سی شب ہے۔ آج نصف شعبان کی شب ہے۔ اس رات میں اللہ تعالیٰ بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں سے بھی زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

اس سے کم از کم یہ تو ثابت ہو گیا کہ سورۂ دخان کی آیات میں لیلۃ مبارکہ سے یہ بے نام رات مراد نہ تھی۔ اگر یہ رات مراد ہوتی تو اولاً تو حضور کو یہ بیان کرنا چاہیئے تھا۔ ثانیاً

ام المؤمنین بھی اس سے ہرگز لا علم نہ ہوتیں۔ کیونکہ یہ آیات اس واقعہ سے ایک طویل عرصہ قبل نازل ہو چکی تھیں۔ کیا یہ کہانی گھڑنے والے یہ کہنا چاہتا ہے کہ ام المؤمنین اتنی لا علم یا اتنی کم فہم تھیں کہ اس آیت کے مفہوم کو بھی نہ سمجھ سکیں جو ایک عرصہ دراز قبل نازل ہو چکی تھیں؟ گویا یہ ام المؤمنین پر ایک مخفی تبرا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ یہ رات تبرا کی رات ہے۔

ہمارے علما راس سے یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ اس رات قبرستان جانا اور مردوں کے لئے دعائے مغفرت کرنا سنت رسول اور کار ثواب ہے۔ ہماری گزارش یہ ہے کہ کیا بیوی کا پیچھا کرنا بھی سنت ہے؟ اگر آپ کا جواب نفی میں ہے تو جس روایت پر آپ خود کلی طور پر عمل نہیں کرتے۔ اسے دوسروں کے سامنے بطور دلیل کیوں پیش کرتے ہیں۔ اور بیچاری صنف نازک نے ایسا کون سا قصور کیا جو اسے اس کار خیر سے محروم رکھا گیا اور اگر آپ کا جواب اثبات میں ہے یعنی آپ اس کے قائل ہیں کہ بیوی کو بھی مرد کا پیچھا کرنا چاہیئے تو ہم نے آپ کو یہ تعلیم دیتے نہ کبھی سنا اور نہ کبھی پڑھا کہ عورتوں کو چاہیئے کہ وہ خاموشی سے مردوں کا پیچھا کیا کریں۔ کیونکہ مرد کی ذات بھروسہ کے قابل نہیں اور جب آپ اس کی تعلیم نہیں دیتے تو گویا آپ نے قصداً صنف نازک کو ایک کار خیر سے محروم رکھا۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اگر آپ نے عورتوں کو یہ تعلیم دی تو اس کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ آپ کو اس کا علم نہ ہو کہ آپ کی بیوی آپ کا پیچھا کر رہی ہے۔ اس صورت میں آپ دونوں حضرات ثواب سے محروم ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس جاسوسی سے کیا حاصل جس کا علم اس شخص کو بھی ہو جس کی جاسوسی کی جا رہی ہے۔ ہم تو کم از کم اس روایت کا یہی مفہوم سمجھے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر بھی بھروسہ نہ تھا اور اس عدم اعتماد کا اظہار آپ اپنی زبان سے بھی کر رہی ہیں۔ اس سے بڑھ کر تبرا کیا ہوگا؟ یعنی لیلۃ البرات کا صحیح تصور پیش کر دیا گیا۔

آپ حضرات سے ایک مزید سوال یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم خاموشی سے

تشریف لے گئے اور ام المؤمنین عائشہؓ کو نہ تو آپ نے پہلے مطلع کیا اور نہ چلتے وقت مطلع کرنا پسند کیا اور نہ لوگوں میں پہلے سے اس کا اعلان کیا۔ کیونکہ اگر پہلے سے اعلان ہوتا تو ام المؤمنین کو بھی اس کی اطلاع ہوتی اور وہ ہرگز آپ کا پیچھا نہ کرتیں۔

یہ تمام امور اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ آپ یہ عمل امت سے مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا اور امت کے لئے اس پر عمل جائز نہیں۔ کیونکہ اگر یہ عمل امت کے لئے بہتر ہوتا تو آپ پہلے سے اس کی تعلیم دیتے اور ام المؤمنین کو بھی مطلع فرماتے۔ ایسی صورت میں اس پر عمل کرنا اور قبرستان کے چکر کاٹنا سراسر سنت رسول کی مخالفت ہے۔ کیوں کہ نبی کے مخصوص افعال میں نبی کی اقتدا نہیں ہوتی اور اگر یہ حکم عام تھا اور حضور نے اس کے باوجود اس حکم کو امت اور ام المؤمنین سے چھپایا تو اس صورت میں نبی پر یہ الزام لازم آئے گا کہ آپ نے نبوت میں خیانت سے کام لیا۔ فلعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین۔

الغرض اس روایت کی ناک جس طرح چاہے موڑ کر دیکھو کسی نہ کسی پر تبرا ضرور ثابت ہوگا اور حقیقت یہ ہے کہ اتنی عقل کی بات باطنی اور تقیہ کے ماہرین تو ضرور کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ کسی سیدھے سادے ملا کے بس کی بات نہیں۔

پھر اس روایت میں یہ کہیں موجود نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عبادت فرمائی تھی یا ام المؤمنین کو اس کا حکم دیا تھا۔ کیا صرف قبرستان کا چکر لگانے سے مغفرت حاصل ہو گئی اگر اس کا اقرار کرتے ہو تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ رات کی شب بیداری، دن کا روزہ، چراغاں کی صورت میں دیوالی اور حلوؤں کی صورت میں چڑھاوے سب مہملات ہیں۔ کیونکہ مغفرت تو صرف قبرستان جانے سے حاصل ہو چکی ہے اور اگر کہتے ہو کہ ایسا نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور حرکات بھی ضروری ہیں تو اس روایت میں ان امور کا کوئی تذکرہ نہیں۔

نیز یہ بھی غور طلب ہے کہ قبرستان جانے سے کس کی مغفرت ہوتی ہے۔ زندوں کی یا مردوں کی یا دونوں کی۔ اس کا فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔ وہ پہلے اس کا فیصلہ اپنے اپنے علماء سے کرالیں۔

یہ تو اس روایت کی معنوی حیثیت ہے اب اس کی سندی حیثیت خود امام ترمذی کی زبانی سنئے جسے ہمارے علماء بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں اور ہمارا تخیل تو یہ ہے کہ وہ یا تو اسے سمجھنے کی قدرت نہیں رکھتے یا اسے عمداً بیان نہیں کرتے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں میں نے محمد بن اسمٰعیل (بخاری) سے سنا وہ اس حدیث کو ضعیف کہتے تھے اور انہوں نے فرمایا کہ یہ روایت حجاج بن ارطات یحیٰی بن ابی کثیر سے نقل کر رہا ہے حالانکہ اس نے یحیٰی سے زندگی میں ملاقات تک نہیں کی۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یحیٰی اس روایت کو عروہ سے نقل کر رہے ہیں۔ اور یحیٰی نے عروہ سے بھی کبھی ملاقات نہیں کی۔ اس طرح یہ روایت دو مقام سے منقطع ہوئی اور منقطع روایت محدثین کے نزدیک ناقابل قبول ہے اور جو روایت دو جگہ سے منقطع ہو وہ محدثین کے نزدیک معضل کہلاتی ہے۔ جو انتہائی شدید قسم کی ضعیف بلکہ منکر و مردود ہوتی ہے۔ اسی لئے حافظ بدرالدین عینی حنفی، ابن وحیہ اور ابن العربی مالکی نے اسے موضوع قرار دیا۔

اس روایت میں صرف یہی دو عیوب نہیں بلکہ ان دو عیوب کے علاوہ مزید دو عیوب اور پوشیدہ ہیں۔

۱۔ حجاج اور یحیٰی دونوں مدلس ہیں۔ یعنی درمیان سند سے عمداً راوی کو حذف کر دیتے ہیں تا کہ روایت کا عیب ظاہر نہ ہو، کیونکہ درمیان سے جو راوی گرایا جاتا ہے وہ اکثر بیشتر ناقابل اعتبار ہوتا ہے۔ اسی لئے راوی اس کا نام چھپانا چاہتا ہے۔ ممکن ہے جو راوی درمیان سے گرائے گئے ہیں وہ تبرائی ہوں اور پھر جب کسی جگہ سے راوی گرا دیا جاتا ہے تو بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو راوی گرایا گیا ہے وہ صرف ایک نہیں ہوتا

بلکہ متعدد ہوتے ہیں اور حجاج اور یحییٰ دونوں کی عادت میں یہ داخل ہے کہ وہ درمیان سے راوی گرا دیتے ہیں۔ اس لئے امام ترمذی نے کتاب العلل میں امام یحییٰ بن سعید القطان کا قول نقل کیا ہے۔

ومرسلات یحیی بن ابی کثیر لیس بشئی ‏ ‏ ‏ ‏ اور یحییٰ بن ابی کثیر کی مرسلات کچھ نہیں ہیں

جب یحییٰ کی مرسل کوئی درجہ نہیں رکھتی تو حجاج بن ارطات تو اس سے کہیں زیادہ گیا گزرا ہے۔ اس لئے کہ یحییٰ کی تو صرف مرسلات ناقابل قبول ہیں۔ لیکن حجاج کی تو روایت ہی قابل قبول نہیں۔ اور مدلس جب کوئی روایت عن فلان کہہ کر نقل کرتا ہے تو وہ قابل قبول نہیں ہوتی اور یہ روایت بھی دونوں نے عن کے ذریعہ نقل کی ہے۔

۲۔ حجاج بن ارطات تمام محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ یہ اسلام میں سب سے پہلا شخص ہے جس نے رشوت خوری کی بنیاد رکھی۔ خلیفہ مہدی عباسی سے قبل یہ ایک فقیر تھا۔ مہدی نے اسے قاضی بنا دیا۔ قضا مل جانے کے بعد اس نے جماعت سے نماز پڑھنی چھوڑ دی اور کہا کرتا تھا کہ کیا میں قصائیوں اور سقوں کے ساتھ ایک صف میں کھڑا ہو جاؤں؟ امام شافعی نے اس کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ انسان کی بڑائی اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک وہ نماز با جماعت ترک نہ کر دے ایسے راویوں پر اگر شریعت کے معاملہ میں اعتبار کر لیا جائے تو قرآن کو بھی لپیٹ کر رکھنا پڑے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ۝ الحجرات ۶

اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو، کہ کہیں کسی قوم کو بے جا ایذا دے بیٹھو، پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔

اسی لئے تمام ائمہ محدثین وفقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر روایت کے راویوں کی چھان بین اور ان کی حالت کی تحقیق دین میں داخل ہے۔ امام محمد بن سیرین المتوفی ۱۱۰ھ

فرماتے ہیں۔

هذا الاسناد دين فانظروا عمن تأخذون دينكم — یہ سند بھی دین ہے۔ پہلے اس پر غور کر لیا کرو کہ
مسلم ج ۱ — تم اپنا دین کس قسم کے لوگوں سے اخذ کر رہے ہو

اگر یہ سندات اور راویوں پر بحث نہ ہوتی تو اللہ و رسول اور صحابہ کرام کے نام پر جس کا جو دل چاہتا کہتا پھرتا۔ جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں۔

لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔ مسلم ج ۱ — اگر سند نہ ہوتی تو جس کا جو جی چاہتا بکتا۔

اللہ تعالیٰ محدثین کرام کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے صحت حدیث کیلئے ایک ایک راوی کے حالات معلوم کر کے لاکھوں راویوں کے حالات ہمارے سامنے جمع کر کے رکھ دیئے اسی فن کا نام علم الرجال والاسناد ہے۔ پھر روایت کے لحاظ سے احادیث کے مختلف درجات قائم کئے اور ان کے اصول وضع کئے۔ جس سے فن علم اصول حدیث اور فن علم الروایت وجود میں آئے۔ پھر جرح و تنقید کا طریقہ کار وضع کیا۔ جس کا نام علم الجرح والتعدیل ہے۔ عقل کی رو سے کسی روایت پر جو اعتراضات وارد ہو سکتے تھے، ان کے لئے اصول وضع کئے جس کا نام علم الدرایۃ رکھا گیا۔ روایت کی پوشیدہ خامی ظاہر کرنے کے لئے علم العلل وضع کیا گیا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کس راوی کی کس سے ملاقات ہے علم التاریخ کو اختیار کیا گیا۔ امام سفیان ثوری کا ارشاد ہے۔

اذا كذب الناس استعملنا التاريخ — جب لوگوں نے جھوٹ بولنا شروع کر دیا تو ہم نے تاریخ کا استعمال شروع کر دیا۔

اگر ایک نام کے متعدد راوی ہوں تو ان کا فرق معلوم کرنے کے لئے علم الانساب، علم الاسماء والکنی، اور علم المشتبہ جیسے فنون ایجاد کئے گئے ان فنون کو حاصل کئے اور ان میں عبور پیدا کئے بغیر اگر کوئی شخص اپنی حدیث دانی کا دعویٰ کرتا ہے وہ یقیناً عالم کے روپ میں ایک دکاندار ہے جو کاروبار چمکانے کے لئے محدثین کرام کی ان مساعی جمیلہ پر پانی پھیرنا چاہتا ہے یا اول درجہ کا احمق و جاہل ہے۔ اسی لئے ہم نے اس مضمون میں ان تمام فنون کو پیش نظر رکھا ہے۔ ہم نے

اپنی جانب سے کسی نئی بات کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ محدثینؒ نے اس سلسلہ میں جو کچھ فرمایا ہے وہ ہم نے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ ہم تو صرف اتنی سی بات کے ضرور مجرم ہیں کہ ہم نے محدثین کے اقوال کو اردو کا جامہ پہنا کر اپنے الفاظ میں پیش کر دیا ہے۔ اب اگر ہمیں کوئی مجرم تصور کرتا ہے تو ہم اس جرم کو خوش دلی سے قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔

ہاں ہم یہ سوال ضرور کرنا چاہیں گے کہ آپ کو انہی روایتوں سے کیوں پیار ہے جن کے راویوں کو محدثین نے کذاب، رافضی، خارجی، راشی اور خبیث قرار دیا ہو۔ کہ لیلۃ مبارکہ کی تفسیر میں آپ نے ایک خارجی کذاب کے قول کو اختیار کیا اور قبرستان کے چکر میں ایک راشی کی روایت کو۔ آپ کا ان سے کیا روحانی رشتہ ہے؟ اگر ہمارے علماء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان کو پیش نظر رکھیں جو امام مسلم نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور حضرت سمرہؓ بن جندب سے روایت کیا ہے تو شاید ان میں بھی حدیث کے معاملہ میں کچھ احتیاط کا مادہ پیدا ہو جائے۔

ارشاد رسول ہے۔

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع۔ — آدمی کا جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات بیان کرنے لگے۔

مسلم ج۔ ۱

بقیع کا قصہ جہاں عقلاً و نقلاً غلط ہے۔ جیسا کہ آپ حضرات سطور بالا میں پڑھ چکے ہیں۔ وہاں سراسر احادیث صحیحہ اور تاریخ کے بھی خلاف ہے۔ مؤطا امام مالک اور سنن نسائی میں صحیح سند کے ساتھ اس واقعہ کی صورت یہ بیان کی گئی ہے۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں۔

قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فلبس ثیابہ ثم خرج قالت فامرت جاریتی بریرۃ تتبعہ فتبعتہ حتی جاء البقیع فوقف فی ادناہ ما شاء اللہ ان یقف ثم انصرف فسبقتہ بریرۃ فاخبرتنی فلم اذکر لہ شیئا حتی اصبح ثم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات اٹھے پھر اپنے کپڑے پہنے اور باہر تشریف لے گئے۔ ام المؤمنینؓ کہتی ہیں میں نے اپنی باندی بریرہؓ کو حکم دیا کہ وہ آپ کا پیچھا کرے۔ وہ آپ کے پیچھے گئی حتیٰ کہ آپ بقیع پہنچے اور ورلے کنارے کھڑے

ذکرت ذلك لہ فقال إنی لبعثت الی اهل البقیع لا صلی علیهم

نسائی ج۱ ص۲۸۶ مؤطا امام مالک ص۸۵

ہوئے۔ جب تک اللہ نے چاہا کھڑے رہے پھر واپس لوٹے۔ بریرہؓ پہلے پہنچ گئی۔ اس نے مجھے اطلاع دی۔ میں نے صبح تک آپ سے کوئی ذکر نہیں کیا۔ صبح کے بعد میں نے آپ سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے اہل بقیع کی جانب بھیجا گیا تھا۔ تاکہ میں ان کیلئے دعائے مغفرت کروں۔

یہ حدیث صحیح علی الاعلان یہ ثابت کر رہی ہے کہ نہ ام المؤمنین نے پیچھا کیا تھا۔ اور نہ شب براٗت کی کوئی خوبی بیان کی گئی تھی اور نہ اس شب مخصوصہ کے باعث آپ بقیع تشریف لے گئے تھے۔ بلکہ وہاں جانے کی صرف وجہ یہ تھی کہ آپ کو اہل بقیع کے لئے دعائے مغفرت کا حکم دیا گیا تھا اور یہ حکم قرآن میں صراحتاً موجود ہے۔ ارشاد ہے۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ البراءت ۱۰۳

اور ان کے لئے دعائے رحمت کیجئے، بیشک تمہاری دعا ان کے لئے سکون کا باعث ہے۔

گویا آپ اس حکم الٰہی پر عمل کرنے کے لئے بقیع تشریف لے گئے تھے۔ یہاں یہ اختلاف تو ضرور ہو سکتا ہے کہ آپ کو دعائے مغفرت کا حکم دیا گیا۔ یا نماز جنازہ کا۔ کیونکہ لفظ صلاۃ دونوں معنٰی میں مشتمل ہے۔

تاریخی لحاظ سے یہ وقوعہ کب پیش آیا۔ کون سا سن تھا، کون سا مہینہ تھا اور کون سا دن تھا۔ ہم جب اس پر غور کرتے ہیں تو اتنی بات تو مسلم ہے کہ یہ واقعہ سنہ ۹ھ سے قبل پیش نہیں آیا کیونکہ یہ آیت کریمہ ۹ھ ماہ شعبان میں دوران سفر نازل ہوئی۔ جب کہ آپ جنگ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے اور پندرہ شعبان کے بعد مدینہ واپس پہنچے، اگر یہ واقعہ ۹ھ میں پیش آیا ہے تو آخر شعبان میں پیش آیا ہوگا ورنہ ۱۰ھ میں پیش آیا اور ۱۱ھ میں شعبان کی آمد سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت فرما گئے۔ بشرطیکہ اس کا تعلق شعبان سے ہو، حالانکہ شعبان سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔

رہا مہینہ اور تاریخ کا مسئلہ تو مؤطا امام مالک کے حاشیہ پر محلیٰ کے حوالہ سے ابن الوضاحؒ کا یہ قول منقول ہے۔

قال ابن الوضاح کانت القصۃ قبل موتہ بخمسۃ ایام۔ مؤطا ص۸۵

ابن الوضاح کہتے ہیں یہ واقعہ موت رسول سے پانچ روز قبل پیش آیا۔

یعنی یہ واقعہ آپ کی وفات سے پانچ روز قبل پیش آیا۔ نہ کہ شعبان میں۔ اس وقوعہ کی تاریخ کیا تھی۔ اس فیصلہ کا دارومدار اس بات پر موقوف ہے کہ حضورؐ کی وفات کون سی تاریخ کو ہوئی۔ بارہ کی روایت جو ہمارے یہاں مشہور ہے وہ تو قطعاً غلط ہے۔ جو خلاف عقل بھی ہے اور خلاف نقل بھی۔ مؤرخین کے وفات رسولؐ کے بارے میں تین اقوال ہیں۔ ۲ ربیع الاولیٰ، یکم ربیع الاول اور نو ربیع الاول۔ پہلے دو اقوال کے لحاظ سے آپ آخر صفر میں بقیع تشریف لے گئے اور نو ربیع الاول کے لحاظ سے شروع ربیع الاول میں۔ الغرض شعبان میں بقیع جانے کی کہانی الف لیلیٰ کی داستان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

جس تاریخ کو آپ بقیع تشریف لے گئے تھے۔ اس روز دن میں آپ میدانِ احد تشریف لے گئے۔ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ آپؐ آٹھ سال بعد احد تشریف لے گئے میرے والد کی قبر کھل گئی تھی۔ پورا جسم محفوظ تھا لیکن ناک کا کچھ گوشت اڑ گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ آٹھ سال کی مدت بالکل آخر عمر میں ہوگی اور وہ بھی پورے آٹھ سال نہ ہوں گے۔ چالو سال کو بھی سال شمار کیا گیا۔ کیونکہ جنگ احد ۹ شوال ۳ھ میں واقع ہوئی۔

بخاری اور ابوداؤد نے حضرت عقبۃ بن عامر الجہنیؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ احد تشریف لے گئے اور آپ نے شہدائے احد کی نماز جنازہ ادا کی اور واپس تشریف لا کر ہمیں اس قسم کا خطبہ دیا گویا آپ زندوں اور مردوں سب کو رخصت کر رہے اور آخر میں فرمایا۔

انی فرطکم علی الحوض — میں تمہارا حوض پر پیش رو ہوں گا۔

امام بخاری نے اس سے شہداء کی نماز جنازہ کا ثبوت پیش کیا ہے۔ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں مؤرخ محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ آپ وفات سے پانچ روز پیشتر جمعرات کے دن احد تشریف لے گئے۔ قاضی عیاض مصری نے الشفاء میں، امام نووی نے شرح مسلم میں اور علامہ شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم جلد سوم میں، اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں یہی دعوی کیا ہے۔ بلکہ قاضی عیاض شرح مسلم میں یہاں تک فرماتے ہیں۔

اے فی آخر عمرہ لا قبل یدل علیہ احادیث اخر — یعنی آخر عمر میں نہ کہ اس سے قبل جیسا کہ اس پر دیگر احادیث دلالت کرتی ہے۔

یہ تمام ائمہ یہ دعوے کر رہے ہیں کہ آپ بقیع رات کے وقت وفات سے صرف چند روز پیشتر تشریف لے گئے اور اس سے قبل کبھی تشریف نہ لے گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ حجاج بن ارطات والی کہانی کا علم ان حضرات کو بھی ہو گا۔ اگر وہ کہانی ان حضرات کی نظر میں صحیح ہوتی تو وہ ہرگز یہ دعوی نہ کرتے۔ یہ دعوی اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ان حضرات نے اس کہانی کو ناقابل اعتبار سمجھا ہو۔ ورنہ کوئی نہ کوئی تو یہ دعوی کرتا کہ آپ اس سے قبل شعبان میں بھی تشریف لے گئے تھے۔ لیکن قاضی عیاض نے یہ کہہ کر کہ زندگی میں آپ کبھی رات کو تشریف نہ لے گئے تھے۔ صرف آخر عمر میں تشریف لے گئے۔ جیسا کہ دیگر احادیث اس کی شہادت دے رہی ہیں۔ ہر تخیل کو باطل کر دیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے قاضی عیاض کا یہ قول نقل کر کے سکوت اختیار کیا۔ گویا ان کے نزدیک قاضی عیاض کا دعوی بالکل صحیح اور درست تھا۔

میرے والد اور استاد محترم مفتی اشفاق الرحمان کاندھلوی مرحوم۔ صدر مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی و صدر مدرس دار العلوم ندوۃ العلماء و سابق مفتی اعظم ریاست بھوپال اپنی کشف المغطا شرح المؤطا میں اس واقعہ پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابن عبد البر مالکی کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ کہ ابن عبد البر نے حضرت ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ صحابی سے نقل کیا ہے کہ میں اس رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا۔ آپ نے وہاں جا کر اہل بقیع کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ اس کے بعد میری

جانب متوجہ ہوئے اور مجھ سے فرمایا۔ اے ابو مویہبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دو باتوں کا اختیار دیا ہے کہ یا تو میں دنیا کے خزانے اور دنیا کی ہمیشہ کی زندگی پسند کرلوں اور خواہ جنت اور اپنے پروردگار کی ملاقات اختیار کرلوں۔ میں نے اپنے پروردگار کی ملاقات کو اختیار کرلیا۔

آگے میں ابوہریرہؓ کا بیان ہے۔

فاصبح من تلک اللیلۃ بدأ وجعہ الذی مات منہ صلی اللہ علیہ وسلم کشف الغطا ص۲۲۶

اسی رات کی صبح سے حضور کو وہ تکلیف شروع ہوئی جس سے آپ کی موت واقع ہوئی۔

مجھ پر گویا الزام ہے کہ میں لوگوں کے سامنے وہ چیز پیش کر رہا ہوں جو آج تک کسی نے پیش نہ کی تھی۔ میرا جرم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جو دعوے تم کر رہے ہو وہ کسی نے نہ کیا تھا۔ حالانکہ اتنے ائمہ اور علماء کی اتنی طویل فہرست آپ کے سامنے پیش کرچکا ہوں۔ یہ جرم صرف مجھ پر عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ ان تمام محدثین اور ائمہ پر بھی عائد ہوتا ہے۔ لیکن میرے لئے انہیں مجرم قرار دینا دشوار ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ موجودہ دور کے علماء کو کتمان حق کا مجرم تصور کرلوں۔ یہ زیادہ آسان ہے کیونکہ ان تمام علماء کا علم ان آئمہ اور محدثین میں سے کسی ایک ہستی کے مساوی نہیں ہوسکتا۔ جب ہمیں تقلید کا لبادہ ہی اوڑھنا ہے تو کیوں نہ کسی ماہر فن کی تقلید کی جائے۔ یہ کیا کہ راہ چلتوں کی تقلید شروع کردی جائے۔ میں کسی صورت میں بھی ان ائمہ کی تقلید چھوڑ کر جہلا کی تقلید اختیار نہیں کرسکتا۔

یہ بھی ایک غور طلب امر ہے کہ ۸ھ تک یعنی عمرۂ جعرانہ تک زیارت قبور کی قطعاً ممانعت تھی۔ لیکن جب اس عمرہ کے دوران جو ذی القعدہ ۸ھ میں ہوا، آپ کا گزر آپ کی والدہ کی قبر پر سے ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے دعائے مغفرت کی اجازت طلب کی، جس کی آپ کو ممانعت کردی گئی۔ آپ نے زیارت قبر کی اجازت طلب کی تو اس کی اجازت دیدی گئی۔ آپ قبر پر تشریف لے گئے اور صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فانھا تذکرکم الموت۔ مسلم ج۱ ص۳۱۴

میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا۔ اب تم انکی زیارت کرسکتے ہو کیونکہ یہ زیارت تمہیں موت

یاد دلائے گی۔

یہ واقعہ تمام کتب صحاح میں حضرت بریدہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ سے مروی ہے۔ اور جب ۵ھ سے قبل زیارت قبور ممنوع تھی تو یہ ناممکن ہے کہ حضور اس سے قبل زیارت کے ارادے سے بقیع تشریف لے گئے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ وقوعہ ذی القعدہ ۵ھ کے بعد ہی پیش آسکتا ہے۔

اس پر تمام مؤرخین و مفسرین اور محدثین کا اتفاق ہے کہ ازواج مطہرات کے لئے پردہ کا حکم ۵ھ میں نازل ہوا۔ اور واقعہ ایلا یعنی جب حضور نے ازواج سے علیحدگی اختیار کی تھی یہ وقوعہ ۵ھ میں پیش آیا۔ اور اس واقعہ کے تحت جو آیات نازل ہوئیں ان میں ازواج مطہرات کو حکم دیا گیا۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ۔ الاحزاب ۳۳ — اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی۔

کیا ایسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بلا عذر شرعی گھر سے صرف حضور کا پیچھا کرنے کے لئے باہر نکلیں۔ ام المؤمنین کے بارے میں ایسا گمان کوئی بد باطن تو کر سکتا ہے۔ لیکن کوئی ان کا بیٹا اپنی ماں پر اتنا بڑا الزام قائم نہیں کر سکتا۔

اگر کوئی احمق یہ کہے کہ جب زیارت قبور کی اجازت دیدی گئی تو اب ان کے جانے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے تو اس کے لئے ابن عباسؓ اور ابوہریرہؓ کی یہ حدیث رسول کافی ہے۔

لعن اللّٰہ الزوارات القبور۔ (ترمذی ج ۱) — اللہ قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر لعنت بھیجتا ہے۔

ایسی صورت میں یہ ناممکن ہے کہ ام المؤمنین نے حضور کا پیچھا کیا ہو، بلکہ یہ تو آپ کو بدنام کرنے کی ایک بھرپور سعی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ ایک مخفی تبرا ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ تبرائیوں نے سنیوں کے ذریعہ ان کی ماں پر تبرا کرا دیا۔ اور خود علیحدہ ہو کر بیٹھ گئے۔ اب بھی کوئی نہ سمجھے تو اسے خدا سمجھے۔ اگر قارئین کو مزید تفصیلات کی ضرورت ہے تو وہ ہماری کتاب "شب برات اور اس کی حقیقت" کا انتظار کریں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت

شب برات کے سلسلہ میں ایک اور روایت ابن ماجہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے ان الفاظ میں نقل کی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں طلوع فرماتا اور مشرک اور کینہ پرور کے علاوہ سب کی مغفرت فرماتا ہے۔

نزول الٰہی کا ذکر تو بچپن سے سنتے آئے تھے اور احادیث صحیحہ میں بھی اس کا ذکر موجود ہے لیکن یہ طلوع الٰہی کیا شے ہے اور اس کا کیا مفہوم ہے؟ ہم اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے کہ قرآن اور حدیث صحیح میں ہم نے آج تک اس کا ذکر کہیں نہیں پڑھا اور نہ کسی محدث وفقیہ نے اس کی معانی و مفہوم پر بحث کی۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ طلوع وغروب کا تعلق چاند، سورج اور مجسم اشیاء سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات جسم سے منزہ ہے۔ اگرچہ شیعوں کے متعدد فرقے مثلاً مجسمہ، مشبہہ اور نصیریہ وغیرہ اللہ کے مجسم ہونے کے قائل ہیں، اور صوفیاء کے یہاں بھی مشاہدہ حق کے بغیر کوئی بات نہیں بنتی۔

یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ جو شئے طلوع ہوتی ہے وہ غروب بھی ضرور ہوتی ہے اور جو شئے طلوع وغروب ہوتی ہو وہ یقیناً ایک دن ایک روز فنا بھی ضرور ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ تارے کے غروب ہونے کے وقت یہ اعلان کرایا۔

انی لا احب الآفلین ہ ،، — یقیناً میں ڈوبنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

جو اللہ طلوع ہوتا اور صبح صادق کے ظہور کے بعد غروب ہو جاتا ہو ایسا اللہ وہ اللہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا جس نے قرآن میں اپنا یہ وصف بیان کیا ہو،

لیس کمثلہ شئی — اس کے مثل کوئی شئے نہیں

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اس روایت میں اس شب کا کوئی نام مذکور نہیں۔ بلکہ لفظ نصف شعبان درج ہے۔ اگر مہینہ تیس دن کا ہو تو یہ پندرھویں شب ہوگی۔ اور اگر مہینہ انتیس کا ہے تو نصف

شعبان کی کوئی بھی شب نہ ہوگی۔ حالانکہ ہمارے علماء اور عوام ایک متعینہ شب میں یہ کام انجام دیتے ہیں۔ انہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ مہینہ تیس کا ہوگا۔ اس کا مقصد یہ ہے۔ کہ جس سال شعبان انتیس کا ہوگا۔ اس سال کی عبادت تو اکارت گئی۔ کیونکہ نصف شعبان واقع ہی نہیں ہوا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس قسم کی روایات گھڑنے والے عقل سے کورے تھے۔

اس روایت کی محدثین کی نظر میں کیا حیثیت ہے؟ تو اس کا ناقل عبداللہ بن لہیعہ ہے۔ اس کا انتقال ۱۷۴ھ میں ہے۔ بخاری و مسلم نے اس کی کوئی روایت نقل نہیں کی۔ ترمذی نے اس کی روایت نقل کر کے اسے ضعیف قرار دیا۔ نسائی نے دعویٰ کیا کہ میں نے اپنی کتاب میں اس کی صرف ایک روایت نقل کی ہے اور وہ بھی مجبور ہو کر۔ مقدسی کہتے ہیں متروک ہے۔ امام ابو زرعہ رازی فرماتے ہیں کذاب ہے۔ دیگر محدثین کہتے ہیں کہ اگر اس سے عبداللہ بن المبارک اور عبداللہ المقری حدیث نقل کریں تو قابل قبول ہے۔ ورنہ قطعاً نہیں۔ کیونکہ آخر عمر میں اس کے دماغ نے جواب دے دیا تھا۔ جس کے باعث الٹی سیدھی روایات بیان کرنے لگا۔ اور اتفاق سے یہ روایت یہ دونوں حضرات نقل نہیں کر رہے ہیں۔ ابن عدی اور ذہبی کہتے ہیں ابن لہیعہ کی یہ روایت منکر ہے۔ عبداللہ بن لہیعہ نے یہ روایت کس سے سنی، تو کبھی تو وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ روایت زید بن سلیم سے مروی ہے اور کبھی کہتا ہے ضحاک بن ایمن سے مروی ہے۔ یہ دونوں حضرات کون ہیں۔ امام ابن عدی، ذہبی اور ابن حجر لکھتے ہیں کہ زید بن سلیم ایک مجہول شخص ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ یہ کون بلا ہے۔ اور عبداللہ بن لہیعہ کے علاوہ اس کا کوئی ذکر تک نہیں کرتا۔ اور اس نے بھی صرف اسی روایت میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اتفاق سے یہی بات محدثین نے ضحاک بن ایمن کے بارے میں بھی کہی ہے۔ یعنی یہ دونوں فرضی ہیرو ہیں۔ جن کا بظاہر کوئی وجود نہیں گویا یہ صرف ابن لہیعہ کی ذہنی پیداوار ہیں۔

عبداللہ بن لہیعہ آگے چل کر دعویٰ کرتا ہے کہ ان دونوں نے یہ روایت ضحاک بن عبدالرحمان بن عرزب سے نقل کی ہے اور کبھی کہتا ہے کہ عبدالرحمان بن عرزب سے نقل کی ہے اور اتفاق

سے یہ دونوں بھی مجہول ہیں۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عبداللہ بن لہیعہ نے یا تو یہ روایت اپنے دماغ کی بھٹی میں تیار کی یا یہ روایت اس وقت کی ہے جب اسے ہذیان کے دورے پڑنے لگے تھے۔ اس طرح اس روایت کے چار راوی تو قطعاً مجہول ہیں اور ایک شدید ضعیف ہے۔ یہ روایت تو ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل بھی نہیں ہے۔

یہ بھی ایک عجیب بات ہے۔ کہ زید بن سلیم، ضحاک بن ایمن، ضحاک بن عبدالرحمن اور عبدالرحمن بن عرزب سے ابن ماجہ کے علاوہ کسی محدث نے روایت نہیں لی اور نہ اس روایت کو ابن ماجہ کے علاوہ کسی نے نقل کیا۔ اور حافظ مزنی فرماتے ہیں جو روایت صرف ابن ماجہ نقل کریں اور وہ کسی اور کتاب میں نہ ہو وہ یقیناً منکر ہے۔

اس روایت کو حدیث رسول کہنا اللہ اور اس کے رسول پر صریح تہمت ہے۔ اس کا تو بیان کرنا بھی حلال نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی شئے کو بیان کرنے سے قبل دو باتوں کا حکم دیا ہے۔ اول یہ کہ بات سچی ہو، دوئم یہ کہ اسے انسان جانتا بھی ہو۔ ارشاد ہے۔

الامن شهد بالحق وهم يعلمون۔ الزخرف ۸۶ مگر جو لوگ حق کی شہادت دیں اور وہ علم بھی رکھتے ہوں۔ اور چونکہ ہم جانتے ہیں کہ اس روایت کے راوی ناقابل اعتبار ہیں۔ اس لئے اس کے حق ہونے کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت ابوبکر صدیق کی روایت

اس سلسلہ کی ایک روایت حضرت ابوبکر صدیق رضی کی جانب بھی منسوب کی جاتی ہے۔ جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں آسمان دنیا کی جانب نزول فرماتا ہے اور مشرک اور کینہ پرور کے علاوہ ہر شخص کی مغفرت فرماتا ہے۔

یہ روایت کتب حدیث میں قطعاً نہیں پائی جاتی۔ البتہ ابن عدی نے اس روایت کو اپنی "کامل" میں نقل کر کے اسے منکر قرار دیا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ ابن عدی کی "کامل" حدیث کی کوئی کتاب نہیں۔ بلکہ یہ علم الرجال کی ایک مسلمہ کتاب ہے۔ علم الرجال وہ فن ہے جس میں حدیث کے راویوں کے حالات بیان کئے جاتے اور ان کی ذات اور ان کی روایات پر بحث کی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا فن ہے جو دنیا کی دیگر اقوام میں قطعاً نہیں پایا جاتا۔ گویا یہ انسانوں کی انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اس کی وضع کا سہرا محدثین کرام کے سر ہے۔ اور سب سے پہلے اس فن پر تصنیف امام یحیٰی بن سعید القطان نے فرمائی۔ جن کی وفات ۱۹۸ھ میں ہے۔ اس سے قبل یہ فن زبانی طور پر دور صحابہ سے جاری تھا۔ اسی فن کے ذریعہ روایت کی صحت و ضعف کا حکم لگایا جاتا ہے۔ اس فن پر سینکڑوں کتابیں تصنیف کی گئیں۔ ان مصنفین نے اپنی اپنی تصنیفات میں خاص خاص موضوعات کو پیش نظر رکھا ہے۔ بعض حضرات نے ہر قسم کے راویوں کے حالات بیان کئے۔ جیسے طبقات ابن سعد۔ بعض حضرات نے صرف ثقہ راویوں کے حالات اپنی کتاب میں جمع کئے۔ مثلاً ابن حبان کی کتاب الثقات۔ بعض حضرات نے صرف ایک شہر کے راویوں کے حالات جمع کئے اور ان پر بحث کی۔ جیسے خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد۔

بعض حضرات نے صرف ضعیف راویوں کے حالات جمع کئے، اور ان کی روایات پر تنقید کی۔ ان حضرات نے صرف وہ روایات نقل کیں۔ جن کے باعث اس کے راوی کو ناقابل اعتبار قرار دیا گیا تھا یا اس پر تنقید کی گئی تھی۔ اس قسم کی کتابیں بہت ہیں۔ مثلاً الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم۔ کتاب الضعفاء للعقیلی۔ کتاب الضعفاء للبخاری، کتاب الضعفاء لابن حبان اور کامل لابن عدی وغیرہ۔

ان کتابوں سے کسی روایت کو نقل کرنا اور پھر اسے دلیل میں پیش کرنا قوم کو صریح دھوکہ دہی ہے۔ کیونکہ یہ مصنفین اپنی اس قسم کی کتابوں میں کوئی صحیح حدیث نقل نہیں کرتے۔ بلکہ ایسی روایت نقل کرتے ہیں جو ان کے نزدیک، موضوع، منکر اور ضعیف ہوتی ہے۔ وہ اس ذات

کو پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جو راوی ایسی ناقابل اعتبار اور مردود روایت نقل کرتا ہو، وہ کیسے قابل قبول ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس راوی کی روایت قبول نہ کی جائے۔ افسوس کہ آج اس قسم کی روایات کو مذہبی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ شب برات کی جتنی روایات ہیں۔ ان سب کو ابن عدی نے نقل کر کے منکر قرار دیا ہے۔ ذہبی کی "میزان الاعتدال" اسی کامل کا خلاصہ ہے۔ جس کے حوالے ہم نے جگہ جگہ پیش کئے ہیں۔

ابن عدی اور ذہبی نے یہ روایت عبدالملک بن عبدالملک کے حالات میں نقل کی۔ اور اس روایت کو منکر قرار دیا۔ اور لکھا کہ امام بخاری کہتے ہیں۔ اس راوی کی روایات پر اعتراض ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں یہ ایسی روایات بیان کرتا ہے۔ جس کی تائید کوئی اور نہیں کرتا۔ یعنی اس کی روایات خود ساختہ ہیں۔ میزان ج۲ ص۶۵۹

اس روایت کے علاوہ اس عبدالملک کا ذکر کسی اور روایت میں کہیں نہیں ملتا۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص غیر معروف ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ جس دور میں یہ کتابیں تصنیف کی گئی۔ اس دور میں ہر شخص کم و بیش روایات کی حیثیت سے واقف تھا۔ کیونکہ ایک ایک وقت میں ہزاروں ائمہ اور حافظ الحدیث موجود تھے اور ان کے لاکھوں شاگرد تھے بلکہ بعض ائمہ کے درس حدیث میں ستر ہزار کے قریب طالب علم موجود ہوتے۔ بعض حضرات کے یہاں تو آواز پہنچانے کے لئے مکبر کھڑے کئے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ محدثین کسی روایت پر تفصیلی بحث نہ کرتے تھے۔ بلکہ اس کے ضعف کی جانب اشارہ کر کے آگے بڑھ جاتے کہ لوگ خود سمجھ لیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ حضرات ہمارے دور کے علماء کی طرح ضعف پرست بھی نہ تھے۔ اس لئے یہ اشارہ بھی ان کے یہاں بہت بڑی حیثیت رکھتا تھا۔

ابن عدی نے اپنی کتاب میں جن جن روایات کو منکر قرار دیا ہے۔ ان میں سے ایک روایت بھی ایسی نہیں جسے بعد کے کسی محدث نے صحیح کہا ہو، جو ان کے اس فن میں یکتا ہونے کی دلیل ہے۔ اسی طرح ابن عدی کی کتاب کا خلاصہ لکھنے والے امام ذہبی کا حال ہے کہ جس حدیث کو وہ صحیح کہدیں

وہ یقیناً صحیح ہوتی ہے اور جسے وہ ضعیف کہدیں۔ اس کی صحت کا دور تک بھی کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ اور جس روایت کے بارے میں وہ یہ کہدیں کہ میں اسے نہیں جانتا تو وہ بازاری گپ ہے۔

فن رجال میں ابن عدیؒ، ابوحاتمؒ، ابوزرعہ، بخاریؒ، نسائیؒ۔ یحیٰ بن سعید القطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ کا وہی مقام ہے جو فقہ میں مالکؒ، شافعیؒ اور ابوحنیفہؒ وغیرہ کا ہے۔

بعض اوقات یہ حضرات کسی روایت پر جرح مختلف مقامات پر کرتے ہیں۔ مثلاً اوپر حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کی حدیث گزری ہے۔ اس میں عبداللہ بن لہیعہ، ضحاک بن ایمن زید بن سلیم، ضحاک بن عبدالرحمٰن، اور عبدالرحمٰن بن عرزب پر ہر ایک کے نام کے ساتھ علیحدہ جرح کی ہے۔ اس طرح اس روایت پر جرح پانچ مقامات پر ہوئی۔ یہ جرح بھی موضوعات کی کتابوں میں ملتی ہے۔

ابن ابی عدیؒ نے اس کی سند اس طرح بیان کی ہے کہ مجھ سے یہ روایت عمرو بن الحارث نے بیان کی اس نے عبدالملک بن عبدالملک سے سنی۔ عبدالملک کا حال اوپر گزر چکا۔ اب عمرو بن الحارث کے بارے میں فرماتے ہیں یہ کوئی معروف شخص نہیں۔ اور اس سے اسحاق بن ابراہیم زبریقی اور اس کی باندی علوہ کے علاوہ کوئی حدیث روایت نہیں کرتا۔ میزان ج ۳-۲۵۱ گویا یہ راوی بھی قابل اعتماد نہیں۔

عبدالملک بن عبدالملک نے یہ روایت مصعب بن ابی ذئب سے نقل کی ہے۔ یہ کون حضرت ہیں مجھے ان کا حال آج تک معلوم نہیں ہو سکا۔ نہ ابن عدیؒ نے اس کا تذکرہ کیا۔ نہ ذہبیؒ نے، نہ بخاریؒ نے نہ نسائیؒ اور نہ حافظ ابن حجرؒ نے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس زمین سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ اس طرح یہ روایت انتہائی شدید ضعیف ہوئی۔

مصعب بن ابی ذئب نے یہ روایت قاسم بن محمد سے نقل کی ہے۔ قاسم مدینہ کے بہت بڑے امام، حضرت عائشہؓ کے بھتیجے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے، جعفر بن محمد کے نانا اور باقر کے ہمعصر ہیں۔ ان کی ذات شک و شبہ سے پاک ہے۔ لیکن یہ روایت ان کی جانب جو منسوب کی گئی

ہے۔ وہ غلط ہے۔ اور تینوں راویوں نے انہیں بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کا ثبوت جہاں ان تینوں راویوں کا ناقابلِ اعتبار ہونا ہے۔ وہاں اگر ثبوت یہ بھی ہے کہ ان راویوں کا دعویٰ ہے کہ قاسم نے یہ روایت اپنے والد محمد بن ابی بکرؓ سے نقل کی۔ حالانکہ قاسم نے اپنے باپ کو دیکھا بھی نہیں۔ کیونکہ قاسم ۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ان کا باپ محمد ۳۸ھ میں مارا گیا۔ کیا قاسم نے ایک سال کی عمر میں یہ روایت سن لی تھی۔

پھر ان راویوں نے یہ بھی بیان کیا کہ محمد بن ابی بکر نے یہ روایت اپنے والد سے نقل کی ہے۔ اول تو یہ محمد قطعاً اس قابل نہیں کہ اس کی روایت قبول کی جائے۔ اس لئے کہ یہ وہ ہستی ہے جس نے حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف مصر میں زہر پھیلایا۔ پھر حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا اور ان کی داڑھی پر ہاتھ ڈالا۔ اس کا شمار قاتلین عثمانؓ میں ہوتا ہے۔ ایسے شخص کی روایت کیسے قبول کی جا سکتی ہے۔ یہ تو تاریخ کی ایک بدنام ہستی ہے۔

رہا یہ دعویٰ کہ محمد نے اپنے والد سے یہ روایت سنی ہے۔ یہ بھی بے پرکی گپ ہے کیونکہ صحیح مسلم، سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ ہم حضور کے ساتھ ہم ذی الحجہ ۱۰ھ کو حج کے ارادے سے چلے۔ ہم پہلی منزل ذوالحلیفہ میں ہوئی۔ وہاں پہنچ کر ابوبکرؓ کی بیوی اسماءؓ بنت عمیس کے یہاں محمد نامی لڑکا پیدا ہوا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کی وفات ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ میں ہوئی۔ اس لحاظ سے جب ابوبکرؓ کی وفات ہوئی تو محمد کی عمر دو سال چھ ماہ اٹھارہ دن تھی۔ اس عمر میں حدیث سننا خلاف عقل ہے۔ اس قسم کی کہانیاں صوفیاء کے یہاں تو ضرور قبولیت حاصل کر سکتی ہیں لیکن محدثین و فقہاء اور مؤرخین کے نزدیک اس کی حیثیت ایک سپید جھوٹ سے زیادہ نہ ہوگی۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نام سے کھلا جھوٹ ہے۔

شعبان میرا مہینہ ہے

اس سلسلہ کی ایک بازاری روایت جو زبان زد عام ہے۔ اس کے الفاظ ہیں۔

رجب شھر اللہ وشعبان شھری ورمضان شھر امتی   رجب اللہ کا مہینہ، شعبان میرا مہینہ اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔

یہ ایک طویل روایت کا ابتدائی ٹکڑا ہے جو تقریباً دو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں رجب کے ایک ایک دن کے روزوں کی فضیلت کا ذکر ہے اور اسی روایت میں صلاۃ الرغائب کا ذکر ہے۔ جو رجب کے پہلے جمعہ کی شب میں پڑھی جاتی ہے۔ اس روایت کے اگلے الفاظ ہیں۔

لا تغفلوا عن اول جمعۃ من رجب فانھا لیلۃ   رجب کے پہلے جمعہ کی شب سے غافل نہ رہو۔
تسمیھا الملائکۃ الرغائب   کیونکہ یہ وہ رات ہے جس کا نام فرشتوں نے رغائب رکھا ہے۔

ملا علی قاری حنفی نے "موضوعات کبیر" میں ابن جوزی نے اپنی "موضوعات" میں ابن عراق الکنانی نے "التنزیہ الشریعہ فی احادیث الموضوعہ" میں سخاوی نے "المقاصد الحسنۃ" میں جلال الدین سیوطی نے "اللآلی المصنوعہ فی احادیث الموضوعہ" میں اور محمد طاہر پٹنی نے "تذکرۃ الموضوعات" میں اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ روایت قطعاً من گھڑت ہے۔ اس کی پوری سند میں کوئی راوی ایسا نہیں جس کا عالم دنیا میں کوئی وجود ہو۔ اس کا واضع صوفی علی بن عبداللہ بن جہضم ہے۔ جس کا انتقال ۴۱۴ھ میں ہوا۔ جو "بہجۃ الاسرار" کا مصنف ہے۔ ابن جوزی، ابن قیم، سیوطی، سخاوی، ابن عراق الکنانی، حافظ عراقی، مقدسی، جزری اور محمد طاہر پٹنی لکھتے ہیں کہ جتنی روایات بھی ماہ رجب یا اس کے روزوں کی فضیلت میں مروی ہیں سب موضوع ہیں۔ موضوعات کبیر ص ۱۹۲۔ اللآلی المصنوعہ فی احادیث الموضوعہ ج ۱ ص ۵۶۔ تذکرۃ الموضوعات ص ۱۱۶۔

امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں ایک حدیث رسول پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ اس روایت کے گھڑنے والے کو تباہ و برباد کرے۔ ائمہ فقہا و محدثین نے اس رکعات

کی تردید میں اتنی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جو حد و شمار سے باہر ہیں۔
(افسوس کہ وہ کتاب آج ہمیں دستیاب نہیں)

یہ تمام بحث امام نووی صحیح مسلم اور نسائی کی اس حدیث کے تحت کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جمعہ کے دن کو روزوں کے لئے مخصوص نہ کرلو، اور نہ جمعہ کی رات کو کسی عبادت کے لئے مخصوص کرو اور یہ صلاۃ الرغائب رجب کے پہلے جمعہ کی شب میں پڑھی جاتی ہے۔

اسی طرح چلہ کشوں کے یہاں چلہ کشی اور مختلف عملوں کی ابتدا جمعہ کی شب سے ہوتی ہے اسی لئے اسے نوچندی جمعرات کہا جاتا ہے۔ یہ تمام طریقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے دشمن ہیں اور اسلام کے نام سے خرافات پھیلا رہے ہیں۔ تبلیغی جماعت والوں کے یہاں بھی اجتماع جمعہ کی شب میں ہوتا ہے۔ اسی لئے اہل کراچی اس شب کی مسجد بھاگتے ہیں۔

ان تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس روایت کا گھڑنے والا علی بن عبداللہ بن جہضم ہے۔ جو ابن جہضم کی کنیت سے مشہور ہے۔ ذہبی اس کے حال میں لکھتے ہیں۔ اس کی کنیت ابوالحسن ہے۔ یہ حرم مکہ کا مجاور تھا اور بعد کے صوفیاء کا شیخ تصور کیا جاتا ہے۔ اس نے "بہجۃ الاسرار" نامی کتاب تصنیف کی۔ اس پر حدیثیں گھڑنے کا الزام ہے۔ ابو خیرون کہتے ہیں محدثین نے اس پر اعتراضات کئے ہیں اور بعض محدثین کہتے ہیں یہ کذاب ہے اور اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اس روایت اور اس نماز کا واضع یہی ہے۔ میزان ج ۳۔ ص ۱۴۲

محدثین کے نزدیک ابن جہضم کذاب ہے اور دل سے روایات گھڑ کر حضور کی جانب منسوب کرتا ہے۔ اس کی کتاب انہی خرافات کا مجموعہ ہے لیکن صوفیاء کے یہاں یہ کتاب سبقاً پڑھائی جاتی ہے اور اس کے مطالعہ کی تلقین کی جاتی ہے۔ پیران پیر بھی اس کتاب کو سبقاً پڑھاتے تھے اور غنیۃ میں اس کی متعدد روایات بھی نقل کی گئی ہیں۔ بعد میں صوفیاء نے جتنی کتابیں لکھیں سب نے اس کتاب سے استفادہ کیا۔ احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت وغیرہ میں بھی اسی طرح کی کرامات نظر آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر شر سے محفوظ رکھے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ ابن جہضم نے یہ روایت حمید بن انس کی جانب منسوب کی ہے اور کہا ہے کہ حمید نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ حالانکہ حمید بن انس نامی نہ تو کوئی صحابی گزرا ہے نہ کوئی تابعی۔ باقی روات سب مجہول ہیں۔ ممکن ہو کہ وہ بھی سب صوفی ہوں۔

بعینہ یہی روایت حضرت ابو سعید خدری کی جانب بھی منسوب کی جاتی ہے۔ لیکن اس کا ایک راوی کسائی ہے۔ ابن جوزی، سیوطی، ابن عراق الکنانی اور محمد طاہر پٹنی اسے بھی موضوع قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسائی کذاب ہے اور اس میں واضح عیب یہ ہے کہ کسائی نے دعویٰ کیا ہے کہ ابو سعید خدریؓ سے اسے علقمہ نے روایت کیا ہے۔ حالانکہ امام علقمہ نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔

ایک دُعا

شیخ جیلانی نے اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں حضرت انسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب ماہ رجب شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے ہیں۔

اللھم بارک لنا فی رجب وشعبان وبلغنا رمضان۔ اے اللہ ہمارے لئے رجب وشعبان میں برکت فرما اور ہمیں رمضان تک پہنچا

غنیۃ الطالبین ترجمہ ص ۶۵۳

اس روایت کی تحقیق سے قبل حدیث کا ایک اصول ذہن نشین کر لیجئے کہ اصول حدیث کی رو سے صرف وہی روایت قابل قبول ہوتی ہے۔ جس کی مصنف نے پوری سند بیان کی ہو یعنی اپنے دور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک تمام راوی بیان کئے ہوں اور وہ سب ثقہ ہوں، ان کا حافظہ بھی قوی ہو اور ہر ایک کا دوسرے سے حدیث سننا بھی ثابت ہو ان میں سے ہر راوی کو نہ تو مغالطہ ہوتا ہو، نہ اس میں وہم کا مادہ زیادہ ہو اور نہ ان میں سے کسی پر محدثین نے جرح کی ہو۔ یہ صحت حدیث کا پہلا معیار ہے جو روایت اس معیار پر پوری نہ اترے وہ اس قابل نہیں کہ اس کی جانب توجہ دی جائے۔ حتیٰ کہ محدثین اس پر بھی متفق ہیں کہ اگر ایک مسلم تابعی حضورؐ کا فرمان

نقل کرے اور درمیان سے صحابی کا نام ترک کر دے جس سے اس نے روایت سُنی ہے تو یہ روایت بھی قابل قبول نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے یہ حدیث صحابی سے نہ سنی ہو بلکہ جس سے سنی ہو وہ ناقابل اعتبار ہو۔ ایسی روایت جس میں صرف صحابی کا تذکرہ نہ ہو۔ محدثین کی اصطلاح میں مرسل کہلاتی ہے اور مرسل روایت قابل قبول نہیں۔ حتیٰ کہ محدثین نے تصریح کی ہے کہ امام مجاہد، امام عطاء بن ابی رباح، امام حسن بصری، امام زہری اور امام سفیان بن عیینہ کی مرسلات بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ حالانکہ یہ سب پہلی صدی میں پیدا ہوئے اور ان میں سے اکثر نے اپنی آنکھوں سے صحابہ کو دیکھا ہے۔ ان کا دور عہد رسالت سے بہت قریب ہے۔ بلکہ اگر یہ ائمہ کسی ایسے صحابی سے حدیث روایت کریں جس سے ان کی ملاقات نہ ہوئی ہو تو وہ بھی قابل قبول نہیں۔ مثلاً حسن بصری، حضرت علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابو ہریرہؓ، جابر بن عبداللہؓ اور عبداللہ بن عباسؓ سے حدیث روایت کریں تو وہ قابل قبول نہیں۔ کیونکہ حسن نے ان سے ملاقات نہیں کی۔ یقیناً درمیان سے راوی چھوڑا گیا ہے۔ جب ایک راوی کے چھوٹ جانے سے روایت قابل قبول نہیں رہتی تو اُس روایت کا کیا درجہ ہوگا جس میں پورے پانچ سو سال کے راوی چھوڑ دیئے جائیں۔ وہ تو بے پر کی گپ ہوگی۔

شیخ جیلانی نے اس روایت کی کوئی سند بیان نہیں کی اور پورے پانچ سو سال کے راوی چھوڑ دیئے جو کم از کم بارہ تیرہ ہونا چاہئیں تھے۔ اس قسم کی روایات کے جھوٹ ہونے میں کیا شک و شبہ کیا جاسکتا ہے۔

امام مسلم نے "صحیح مسلم" کے مقدمہ میں امام یحیٰ بن سعید القطان المتوفی ۱۹۸ھ کا قول نقل کیا ہے۔ "کہ ہم نے ان نیک لوگوں سے زیادہ حدیث میں جھوٹا کسی کو نہیں پایا" پھر امام مسلم اس کی اپنے الفاظ میں اس طرح وضاحت کرتے ہیں۔

لا یتعمدون الکذب بل الکذب یجری علی لسانہم۔ مسلم ج ۱ ص ۱۳
یہ لوگ اگرچہ عمداً جھوٹ نہ بولتے تھے، بلکہ لاعلمی کے باعث انکی زبانوں پر ہر وقت جھوٹ جاری رہتا۔

گویا نیک، عابد، زاہد، متقی اور پرہیزگار ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ چونکہ اس کی

تمام تر توجہ عبادت کی جانب مبذول ہوتی ہے اور علم حدیث سے شغف کم ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر سنی سنائی گپ کو حدیث تصور کر کے بیان کرنے لگتا ہے۔ اس طرح اس کی زبان پر ہمہ وقت جھوٹ جاری رہتا ہے۔ گویا زیادہ نیک ہونا اور لاعلمی میں جھوٹ بولنا دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

اسی قسم کا معاملہ غنیۃ الطالبین، منہاج العابدین اور احیاء العلوم وغیرہ میں نظر آتا ہے۔ بلکہ تصوف کی تمام کتابوں کا یہی حال ہے اور اسلام سے جہالت کا اصل سبب اسی قسم کی کتابیں ہیں۔ جنہوں نے اسلام کی ہیئت ہی تبدیل کر دی ہے۔

شیخ صاحب نے اس روایت کو ہبۃ اللہ السقطی سے نقل کیا ہے جس کا انتقال ۵۰۹ھ میں ہوا۔ اور وہ یہ روایت حضرت انسؓ سے نقل کر رہا ہے۔ جن کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی۔ ان دونوں کے درمیان چار سو سولہ سال کا فاصلہ ہے۔ درمیان کے راوی کہاں گئے۔ ہمارے نزدیک یہ سب ہبۃ اللہ کھا گیا۔ کیونکہ ہبۃ اللہ محدثین کے نزدیک کذاب ہے۔ حافظ ابن حجرؒ "تبیین العجب فی ما ورد فی رجب" اور ابن عراق الکنانی "التنزیہ الشریعہ فی احادیث الموضوعۃ" میں فرماتے ہیں۔

ھبۃ اللہ السقطی فھو الآفۃ۔ التنزیہ الشریعہ ج ۱ ص ۱۴۰ — ہبۃ اللہ السقطی ہی ایک آفت ہے۔

ابن ناصر کہتے ہیں۔

لیس بثقۃ وظھر کذبہ۔ التنزیہ الشریعہ ج ۱ ص ۱۲۳ — یہ ثقہ نہیں ہے۔ اس کا جھوٹ ظاہر ہو چکا ہے۔

ذہبی لکھتے ہیں اس ہبۃ اللہ کی کنیت ابو البرکات ہے۔ اس نے حصول حدیث کے لئے اصبہان وغیرہ کا سفر کیا اور مختلف لوگوں سے روایات سنیں، جنہیں اس نے اپنی کتاب "المعجم" میں جمع کیا۔ ابن السمعانی لکھتے ہیں کہ اس نے اس کتاب میں بہت سی روایات کے بارے میں دعویٰ کیا ہے کہ اس نے یہ روایات ابو محمد الجوہری سے سنیں اور انہیں پڑھ کر سنائیں۔ ابن السمعانی کہتے ہیں یہ قطعاً محال ہے۔ کیونکہ ہبۃ اللہ کی اتنی عمر نہیں ہوئی کہ وہ ان سے ملاقات کر سکتا۔ میزان ج ۴ ص ۲۹۲

حافظ ابو محمد الجوہری کا انتقال ۴۵۴ھ میں ہوا۔ ہبۃ اللہ ان سے حدیث اسی وقت سن سکتا تھا۔ جب کہ اس کی عمر تین سو سال کے قریب ہوتی۔ اس کا حال رتن ہندی کی طرح ہے۔ جس نے آنحضورؐ

صدی میں یہ دعوی کیا تھا کہ میں نے حضرت انس رضؓ سے احادیث سنی ہیں۔ درا صل ان صوفیاء نے احادیث رسول کو جھوٹوں کا اکھاڑہ بنالیا ہے۔ کہ کون زیادہ جھوٹ بولتا ہے۔ یہ بھی اللہ کا ایک شکر ہے کہ اس ہبتہ اللہ کی کتاب آج دنیا سے ناپید ہے ورنہ مزید دردسری پیدا ہوتی۔ اگرچہ شیخ صاحب نے شاگردی کا حق ادا کرتے ہوئے اس کے متعدد ہذیانیات کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ غنیہ کا ایک تہائی حصہ اسی ہبتہ اللہ کی کرم فرمائی کا نتیجہ ہے تو یہ بیجا نہ ہوگا۔

حضرت انس رضؓ کی ایک روایت

شیخ عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں حضرت انس رضؓ کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت نقل کی ہے۔

فضل رجب علی سائر الشہور کفضل القرآن علی سائر الکلام وفضل شعبان علی سائر الشہور کفضلی علی سائر الانبیاء وفضل رمضان علی سائر الشہور کفضل اللہ علی سائر الخلق

غنیہ ج۱ ص۱۸۰

رجب کو تمام مہینوں پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسے قرآن کو تمام کلاموں پر شعبان کو تمام مہینوں پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسے مجھے تمام انبیاء پر اور رمضان کو تمام مہینوں پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسے اللہ کو تمام مخلوق پر

ملا علی قاری حنفی المتوفی سنہ۱۰۱۴ اور علامہ عبدالرحمان بن علی الشیبانی الاثری اپنی اپنی کتابوں میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال ابن حجر انہ موضوع۔ موضوعات کبیر ص۵۹

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یہ موضوع ہے۔

تمیز الطیب من الخبیث فی ما یدور علی السنۃ الناس من الحدیث ص۱۱۳

امام سخاوی المتوفی سنہ۹۰۲ اپنی کتاب "المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنۃ" میں فرماتے ہیں۔

قال شیخنا انہ موضوع۔ المقاصد الحسنۃ ص۲۹۹

ہمارے استاد کہتے تھے یہ موضوع ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی نے اس روایت کو بھی اسی ہبتہ اللہ الکذاب سے نقل کیا ہے۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ۵۱۱ھ تک تاریخ میں ہبتہ اللہ نامی پانچ اشخاص گزرے ہیں، اور ان میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں جو قابل اعتماد ہو۔ ایک ہبتہ اللہ بن الحسن بن ظفر ہے۔ اس کے بارے میں ابن نقطہ کہتے ہیں یہ لحاظ دین نہایت بدترین انسان تھا۔ ایک ہبتہ اللہ بن شریک الحاسب ہے۔ ابن السمعانی کہتے ہیں اس کے برے ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ ایک ہبتہ اللہ بن مزنی الموصلی ہے۔ یہ مجہول شخص ہے۔ ایک ہبتہ اللہ بن المبارک المدائنی ہے۔ یہ کٹر رافضی اور معتزلی تھا۔ اس کا انتقال ۵۱۱ھ میں ہوا۔ اور ایک ہبتہ اللہ بن المبارک السقطی ہے۔ جس کی روایات غنیہ میں پائی جاتی ہیں اور یہ کذاب ہے۔ اس کا انتقال ۵۰۹ھ میں ہے۔

شب برات کا روزہ

لوگوں میں پندرہ شعبان کا روزہ رکھا جاتا ہے۔ جسے شب برات کا روزہ کہتے ہیں۔ حالانکہ شب کے معنی رات کے ہیں اور روزہ دن میں رکھا جاتا ہے۔ یہ ایسی ہی حماقت ہے جیسے پنجشنبہ کو جمعرات کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ دن کا نام ہے۔ یا جیسے پیر پیران کو پیران پیر بولتے ہیں۔ لوگوں میں ایسی حماقتیں عام ہیں۔

اس روزے سے متعلق ایک روایت ابن ماجہ اور ابن حبان میں حضرت علی رضؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب نصف شعبان ہو، تو رات کو قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شب میں غروب آفتاب کے وقت آسمان دنیا پر نزول فرما ہوتا ہے۔ اور فرماتا ہے، ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اس کی مغفرت کردوں۔ ہے کوئی رزق طلب کرنے والا کہ میں اسے رزق دوں، ہے کوئی مبتلائے مصیبت کہ میں اسے عافیت دوں، اسی طرح صبح صادق تک ہوتا رہتا ہے۔

اس روایت کا ایک راوی ابوبکر بن عبداللہ بن ابی سبرۃ المدنی ہے۔ جو از حد ناقابل اعتبار ہے۔

حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں۔ محدثین نے اسے واضع حدیث قرار دیا ہے۔ تقریب التہذیب ص۳۹۶۔ نسائی لکھتے ہیں یہ متروک الحدیث ہے۔ کتاب الضعفاء للنسائی ص۱۱۵۔ بخاری کہتے ہیں ضعیف ہے۔ کتاب الضعفاء للبخاری ص۱۲۲

ابن عدی کامل میں اور ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں یہ روایت منکر ہے۔ امام احمد کا قول ہے کہ یہ ابوبکر بن عبداللہ احادیث گھڑا کرتا تھا۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں یہ کچھ نہیں۔ یہ شخص پہلے شیعہ تھا۔ نفس زکیہ کے ساتھ مل کر اس نے خلیفہ منصور کے خلاف بغاوت کی۔ بغاوت کی ناکامی کے بعد یہ قید کر دیا گیا۔ تقریباً چھ ماہ بعد مدینہ کے کچھ غلاموں نے قید خانے پر حملہ کر کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ جس میں یہ بھی آزاد ہوا۔ آزاد ہوتے ہی یہ مسجد کے ممبر پر چڑھ گیا اور خلیفہ منصور کی تعریف میں فرضی روایات سنانی شروع کر دیں۔ جس پر منصور نے خوش ہو کر اسے قاضی بنا دیا۔ میزان الاعتدال ج۴ ص۵۰۴

علامہ ابوالحسن سندھی اپنی شرح ابن ماجہ میں اور ہیثمی مجمع الزوائد میں لکھتے ہیں کہ امام احمد اور امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں یہ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ اس لئے یہ حدیث موضوع ہے ابن جوزی نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے اور یہ روایت ابن ماجہ کی موضوعات میں شمار ہوتی ہے۔

اس ابن ابی سبرۃ سے روایت نقل کرنے والا عبدالرزاق بن ہمام ہے۔ اگرچہ یہ حدیث کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن اس پر بھی محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ رافضی ہے۔ اور آخر عمر میں اس کے دماغ نے جواب دیدیا تھا۔ جس کی وجہ سے روایات میں غلط روایات شامل ہو گئیں۔ امام احمد فرماتے ہیں اسے سنی سنائی گپیں زیادہ پسند تھیں۔ میزان ج۲ ص۶۰۹

ان روایات میں جس نزول الٰہی کا بار بار ذکر ہو رہا ہے۔ وہ کسی رات کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ یہ نزول ہر رات تہجد کے وقت ہوتا ہے۔ ان صوفیا نے اسے ایک رات کے ساتھ مخصوص کر کے لوگوں کو تہجد کی نعمت سے محروم کر دیا اور اس طرح اسلام کو فائدے کے بجائے

نقصان پہنچایا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ینزل ربنا تبارک وتعالی کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاٰخر یقول من یدعونی فاستجیب لہ من یسالنی فاعطیہ من یستغفرنی فاغفرلہ۔ بخاری ج۱ ص۱۵۳، مسلم ج۱ ص۲۵۸، ابن ماجہ ترجمہ ج۱ ص۳۷۶

ہمارا پروردگار تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی جانب نزول فرماتا ہے۔ جبکہ تہائی رات باقی رہ جاتی ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو مجھے پکارے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے کہ میں اسے عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے استغفار کرے کہ میں اس کی مغفرت کردوں۔

یہ حدیث اکثر کتب احادیث میں متعدد سندات سے مروی اور اس کی صحت میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن صوفیاء نے موضوع روایات پھیلا کر عوام الناس کو تمام سال کی عبادت سے محروم کردیا۔ اور عوام اس ایک رات پر بھروسہ کرکے بیٹھ گئے۔ حالانکہ اگر پابندی سے تہجد کی نماز ادا کی جائے تو یہ رات خود بخود اس میں داخل ہوجائے گی۔

دنیا جانتی ہے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے اور اکثر صحابہ اور ائمہ کا اس پر اتفاق ہے۔ لیکن جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا۔

انھا تدور فی السنۃ کلھا — وہ تمام سال میں گھومتی رہتی ہے

اور جب حضرت ابی ابن کعبؓ سے ان کے اس قول کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا عبداللہؓ نے یہ بات اس لئے کہی تاکہ لوگ اس پر بھروسہ کرکے نہ بیٹھ جائیں۔ اسی لئے امام ابوحنیفہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ شب قدر تمام سال میں گھومتی رہتی ہے۔

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر آخر عشرہ میں ہوتی ہے اسی لئے ارشاد رسول ہے۔

التمسوھا فی العشر الاواخر فی رمضان۔ — رمضان کے آخر عشرے میں اسے تلاش کرو۔

مسلم ج۱ ص۳۶۹

لیکن افسوس کہ حنفیت کے دعویداروں نے شب قدر کو ستائیس کے ساتھ مخصوص کرکے رمضان کی راتوں کی شب بیداری سے نجات حاصل کرلی۔ اس قسم کے افراد جہاں شریعت کی روح کو فنا کررہے

ہیں وہاں وہ امام ابو حنیفہ کو بھی بدنام کر رہے ہیں۔ یہ سب امام صاحب کے نادان دوست ہیں اور شریعت اسلامیہ کی بدنامی کا سبب ہیں۔

یہ چند روایات ہیں جو ہم نے بطور نمونہ پیش کی ہیں ناگر ہم تمام روایات پیش کر کے اس پر بحث کریں تو ایک تفصیلی کتاب درکار ہوگی۔ ہم نے ہر روایت پر تفصیلی بحث اپنی کتاب "شب براءت اور اس کی حقیقت" میں بیان کی ہے۔ جسے دیگر روایات کی تحقیق مطلوب ہو وہ اس کتاب کا انتظار کرے۔

محدثین وفقہاء کے تبصرے

آخر میں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ، محدثین وفقہاء نے شب براءت اور اس کی تفاصیل کے سلسلہ میں جو آراء پیش کی ہیں، اور ان روایات پر جو تبصرے کئے ہیں وہ ہم قارئین کی خدمت میں پیش کردیں۔ تاکہ قارئین کو یہ اندازہ ہو جائے کہ یہ کوئی ہماری نرالی رائے نہیں۔ اگرچہ گزشتہ روایات کے تحت بہت سے محدثین کے اقوال آپ کی نظر سے گزر چکے ہوں گے۔ لیکن تاہم ہم ذیل میں چند تفصیلی تبصرے پیش کرتے ہیں۔

علامہ محمد طاہر بن علی الحنفی الپٹنی المتوفی ۹۸۶ھ اپنی مایہ ناز کتاب "تذکرۃ الموضوعات" میں رقم طراز ہیں:

في المختصر حديث صلاة نصف شعبان باطل ولابن حبان (وابن ماجة) من حديث علي إذا كان ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها ضعيف (و عند أحمد بن حنبل وابن معين وابن الجوزي موضوع) وعند ابن عدي والذهبي منكر وفي اللآلي مائة ركعة في نصف شعبان بالإخلاص عشر مرات مع طول فضله للديلمي وغيره موضوع وجمهور رواته من الطرق الثلاثة مجاهيل وضعفاء والحديث محال

مختصر میں ہے کہ نصف شعبان کی نمازوں کے بارے میں جتنی روایات ہیں سب باطل ہیں اور ابن حبان (اور ابن ماجہ) کی یہ روایت کہ جب نصف شعبان کی شب ہو تو رات میں قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو، یہ ضعیف ہے (امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور ابن جوزی کے نزدیک یہ موضوع ہے اور ابن عدی اور ذہبی کے نزدیک منکر ہے) لآلی میں ہے نصف شعبان میں سو رکعت

وثنتا عشرة ركعة فيها كل ركعة بالاخلاص ثلاثين
مرة موضوع وأربع عشرة ركعة فيها موضوع وفي
اللآلي حديث أبي بن كعب أن جبريل أتاني ليلة النصف
من شعبان قال قم فصل إلى أن قال تفتح فيها أبواب
السماء وأبواب الرحمة ثلاث مائة باب إلى أن قال فيغفر
لجميع من لا يشرك بالله أو غير مشاحن أو ساحر
أو مدمن خمر أو مصر على الزنا إلى أن قال فخرج
رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى البقيع وسجد
ملفوزا الخ لطوله لم يبين حاله وأصل الحديث
بلا طول للترمذي، وفي بعض الرسائل قال
علي بن ابراهيم ومما احدث في ليلة النصف
الصلاة الالفية مائة ركعة بالاخلاص عشراً
عشراً بالجماعة واهتموا بها اكثر من الجمع
والاعياد ولم يأت بها خبر ولا اثر الا ضعيف
او موضوع ولا يغتر بذكره صاحب القوت
والاحياء وغيرهما (راجع غنية الطالبين)
ولا بذكر الثعلبي انها ليلة القدر وكان للعوام
بهذه الصلاة افتتان عظيم حتى التزم بسببها
كثرة الوقود وترتب عليها من الفسوق وانتهاك
المحارم ما يغني عن وصفه حتى خشي الاولياء
من الخسف وهربوا فيها الى البراري واول

نماز، اور ہر رکعت میں دس بار سورۂ اخلاص والی حدیث
دیلمی نے نقل کی ہے جو موضوع ہے۔ اس کی تین سندات
ہیں جن کے تمام راوی مجہول اور ضعیف ہیں اور یہ حدیث
محال ہے۔ اسی طرح بارہ رکعت والی نماز کہ ہر رکعت
میں تیس بار قل ہو اللہ اور چودہ رکعت والی نماز سب
موضوع ہیں۔ ذیل میں ہے کہ ابی بن کعبؓ کی یہ حدیث
کہ نصف شعبان کی شب میں جبریل میرے پاس آئے
اور کہا اٹھ نماز پڑھو کیونکہ اس رات میں آسمان اور رحمت
کے تین سو دروازے کھولے جاتے ہیں، پھر ہر اس شخص
کی مغفرت کی جاتی ہے جو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو،
نہ کینہ رکھتا ہو نہ عشر لیتا ہو، نہ عادی شرابی ہو اور نہ
زنا پر مصر ہو۔ پھر آپ بقیع تشریف لے گئے اور وہاں
جاکر سجدہ کیا۔ اس کا حال کسی کتاب میں نہیں ملتا بقیع
جانے کی روایت مختصر طور پر ترمذی میں ہے بعض
رسائل میں ہے کہ علی بن ابراہیم کا قول ہے کہ نصف
شعبان کی رات میں یہ بدعت ایجاد کی گئی کہ سو رکعت
نماز پڑھی جاتی ہے۔ ہر رکعت میں دس بار سورۂ اخلاص
پڑھی جاتی ہے اور یہ نماز جماعت سے پڑھتے ہیں
اور اس کا اہتمام عید اور جمعہ سے زیادہ کرتے ہیں۔ اس
سلسلہ میں کوئی حدیث صحیح یا کسی صحابی و تابعی کا کوئی قول
مروی نہیں۔ قوت القلوب اور احیاء العلوم کے مصنفین

حدثت هذه الصلوة ببيت المقدس سنة ثمان واربعين واربع مائة

وقال زيد بن اسلم (المتوفى ١٣٦ھ) ما ادركنا احدا من مشائخنا وفقهائنا يلتفتون الى ليلة البراءة وفضلها على غيرها وقال ابن دحية احاديث صلوة البراءة موضوعة وواحد مقطوع (اي رواية الترمذي) ومن عمل بخبر صح انه كذب فهو من خدام الشيطان

قال علي بن ابراهيم وقد راينا كثيرا ممن يصلي هذه الصلوة في الليلة القصيرة فيفوتهم الفجر ويصبحون كسالى قال وقد جعلها ائمة المساجد مع صلاة الرغائب ونحوها شبكة لجمع العوام وطلب رياسة التقدم وملأ بذكرها القصاص مجالسهم وكل عن الحق بمعزل، ثم انه تعالى اقام ائمة الهدى في سعي ابطال الصلاة فتلاشى امرها الى ان صارت تصلي لعا ولعوا ركما حل ابطالها في البلاد المصرية والشامية في اوائل سنى المائة الثامنة۔

سے جو یہ روایات نقل کی ہیں ان سے دھوکہ نہ کھانا اسی طرح ثعلبی نے جو اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہی لیلۃ القدر ہے۔ اس سے بھی دھوکہ نہ کھانا ان نمازوں کے ذریعہ عوام بہت بڑے فتنوں میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اسی وجہ سے کثرت سے چراغاں کیا جاتا ہے اور بھی متعدد فسق و فجور اور ترک محرمات کئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اللہ کے نیک بندے اس خوف سے کہ زمین میں نہ دھنسا دیئے جائیں اس رات شہر چھوڑ کر جنگلوں کو چلے جاتے۔ سب سے پہلے یہ نماز بیت المقدس میں ۴۴۸ھ میں جاری کی گئی۔

زید بن اسلم المتوفی ۱۳۶ھ کہتے ہیں ہم نے اپنے اساتذہ اور اپنے دور کے فقہاء میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ لیلۃ البراءت کی جانب کوئی توجہ دیتے یا اسے دیگر راتوں پر فضیلت دیتے ہوں۔ اور ابن دحیہ کہتے ہیں شب براءت کی نمازوں کے بارے میں جتنی روایات ہیں سب موضوع ہیں۔ ان میں سے ترمذی والی روایت منقطع ہے۔ اور جو شخص ان روایات کو صحیح سمجھ کر ان پر عمل کرے۔ وہ جھوٹ بولتا ہے اور وہ شیطان کا خادم ہے۔

علی بن ابراہیم کا بیان ہے کہ ہم نے بہت سے لوگوں کو یہ سو رکعت والی نماز چھوٹی راتوں میں

وقد ضعف ابن العربی حدیث عائشة وعتقاء النار بعدد شعر غنم کلب۔ قال اعقر عبادۃ حدیث عائشة لی ذھابه ونزول الرب لیلة النصف الی سماء الدنیا فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم کلب اخرجه الترمذی قال وفی الباب عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنه وسمعت محمدا یضعف حدیث عائشة قال الترمذی وفیه انقطاع۔

تذکرۃ الموضوعات ص۴۵ ص۴۶

پڑھتے دیکھا ہے۔ جس کے باعث صبح کی نماز جاتی رہتی ہے اور تمام دن سستی میں گزرتا ہے۔ دراصل مساجد کے اماموں نے صلوۃ الرغائب اور اس قسم کی نمازوں کو اپنا مجمع لگانے اور اپنی عزت بڑھانے کا ایک جال تیار کیا ہے۔ اسی طرح قصہ گو ان روایات کا اپنی مجالس میں ذکر کرتے ہیں۔ اس قسم کے تمام لوگ حق سے دور ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہدایت یافتہ ائمہ کو اس کی توفیق دی کہ انہوں نے اس قسم کی نمازوں کا باطل ہونا ثابت کیا۔ ان کی حقیقت معلوم کی حتیٰ کہ ان کی حیثیت ایک کھیل کود کی رہ گئی۔ پھر آٹھویں صدی کی ابتداء میں مصر اور شام کے علاقوں سے ان کا کلی خاتمہ ہو گیا۔

ابن العربیؒ نے حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا جس میں بنو کلب کے بھیڑوں کے بالوں برابر لوگوں کو دوزخ سے آزاد کرنے کا ذکر ہے۔ یہ حقیر بندہ (محمد طاہر پٹنی) کہتا ہے عائشہؓ کی یہ حدیث جس میں نصف شعبان کو اللہ کے آسمان دنیا پر نازل ہونے اور پھر بنو کلب کی بھیڑوں کے بال اتنے لوگوں کی مغفرت کا ذکر ہے۔ اسے ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور خود کہا ہے کہ اس مضمون کی ایک روایت ابوبکرؓ سے بھی مروی ہے۔

اور میں نے محمد بن اسمٰعیل بخاری سے سنا کہ وہ اس
روایت کو ضعیف کہتے تھے۔ پھر ترمذی کہتے ہیں یہ
روایت دو جگہ سے منقطع ہے۔

ملا علی قاری حنفی نے امام ابن القیم کا ایک مضمون نقل کیا ہے، جس میں امام مذکور نے موضوعات
پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بیان فرمایا ہے کہ کس کس قسم کی روایات موضوع ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

ومنها احادیث صلوات الایام واللیالی (کما فی الغنیة) کصلاة یوم الاحد ولیلة الاحد ویوم الاثنین ولیلة الاثنین الیٰ آخر الاسبوع کل احادیثها کذب وامثلها مارواه عبد الرحمٰن بن منده وهو صدوق عن ابن جهضم وهو واضع الحدیث حدثنا علی بن محمد بن سعید البصری حدثنا ابی حدثنا خلف بن عبد الله الصغانی عن حمید بن انس یرفعه رجب شهر الله وشعبان شهری ورمضان شهر امتی الحدیث وفیه لَا تغفلوا عن اول جمعة من رجب فانها لیلة تسمیها الملائکة الرغائب وذکر الحدیث بطوله قال ابن الجوزی اتهموا به ابن جهضم قال

ان موضوع روایات میں سے ہر دن اور ہر رات کی نمازیں بھی ہیں، جیسے اتوار کی نماز، اتوار کی شب کی نماز، پیر کی نماز، پیر کی شب کی نماز، اسی طرح پورے ہفتہ کی نمازیں۔ اسی طرح وہ روایت بھی موضوع ہے جسے ابن مندہ نے روایت کیا ہے جو خود تو سچے تھے، ابن جہضم سے جو احادیث وضع کیا کرتا تھا اس نے علی بن محمد بن سعید البصری سے، اس نے اپنے باپ محمد سے اس نے خلف بن عبد اللہ الصغانی سے اس نے حمید بن انس سے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ رجب اللہ کا مہینہ، شعبان میرا مہینہ اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔ طویل حدیث ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ رجب کے پہلے جمعہ کی شب سے غافل نہ رہو، کیونکہ فرشتوں نے اس رات کا نام رغائب رکھا ہے۔ پھر اس نے ایک طویل حدیث بیان کی۔ ابن جوزی کہتے

وسمعت عبد الوهاب الحافظ
يقول رجاله مجهولون فتشت
عليهم جميع الكتب فما وجدتهم
قال بعض الحفاظ بل لعلهم
لم يخلقوا۔

یہں۔ محدثین کا قول ہے کہ یہ روایت ابن جہضم نے
وضع کی ہے۔ میں نے حافظ عبدالوہاب سے سنا وہ
فرماتے تھے میں نے تمام کتابیں چھان ماریں لیکن
مجھے ان راویوں کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ اسی لئے
بعض حفاظ حدیث کہتے ہیں یہ راوی تو کبھی عالم
وجود میں بھی نہ آئے تھے۔

موضوعات کبیر ص ۱۶۲

علامہ ابن القیم آگے چل کر فرماتے ہیں۔

ومن ذلك احاديث صلوة ليلة
النصف من شعبان كحديث يا علي
من صلى ليلة النصف من شعبان
مائة ركعة بالف قل هو الله احد
قضى الله له كل حاجة طلبها
تلك الليلة وساق خرافات
كثيرة ....

انہی موضوع روایات میں سے نصف شعبان
کی رات کی نمازیں ہیں۔ مثلاً یہ روایت کہ اے
علی جس نے نصف شعبان کی شب میں سو رکعت
نماز پڑھی، اور ہر رکعت میں دس بار قل ہو اللہ
پڑھی اللہ تعالیٰ اس رات میں اس کی ہر حاجت
پوری فرماتا ہے۔ پھر اس کے راوی نے اس روایت
میں کافی بکواس کی ہے۔

والعجب ممن شم رائحة العلم
بالسنة ان يغتر بمثل هذا الهذيان
ويصليها وهذه الصلوة وضعت
في الاسلام بعد الاربع مائة و
نشأت من بيت المقدس فوضع
لها عدة احاديث منها من قرأ
ليلة النصف الف مرة قل هو الله

تعجب تو ان لوگوں پر ہے جنہیں علم حدیث اور
سنت کی کچھ خوشبو بھی پہنچی ہے کہ وہ اس قسم کے
ہذیان سے دھوکا کھائیں اور یہ نماز پڑھیں۔ یہ
نماز اسلام کے چار سو سال بعد بیت المقدس میں
وضع کی گئی۔ پھر اس رات کی فضیلت میں متعدد
روایات وضع کر لی گئیں۔ مثلاً جس نے نصف
شعبان کی شب میں نماز کے دوران ایک ہزار

احد الحديث وفيه لبعث الله اليه مائة الف ملك يبشرونه وحديث من صلى ليلة النصف من شعبان ثلث عشرة ركعة يقرأ في كل ركعة ثلاثين مرة قل هو الله احد شفع في عشرة قد استوجبوا النار وغير ذلك من الاحاديث التي لا يعلم منها شيء۔ موضوعات کبیر ص۱۲۷

بار قل ہو اللہ پڑھی۔ آگے ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک لاکھ فرشتے بھیجتا ہے جو اسے بشارت دیتے ہیں، اور یہ روایت جس نے نصف شعبان کی شب میں تیرہ رکعت نماز پڑھی، اور ہر رکعت میں تیس بار قل ہو اللہ احد۔ تو ان دس آدمیوں کے بارے میں جن پر جہنم واجب ہو چکی اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ اسی قسم کی اور متعدد روایات ہیں جن میں سے ایک بھی صحیح نہیں۔

ملا علی قاری نے امام محمد بن الجزری کا قول بھی نقل کیا ہے جو قراءت کے بہت بڑے امام اور حصن حصین کے مصنف ہیں۔ جن کی یہ کتاب بطور وظیفہ پڑھی جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

وكذا صلاة عاشوراء وصلاة الرغائب موضوع بالاتفاق كذا بقية صلوات ليالي رجب وليلة السابع والعشرين من رجب وليلة النصف من شعبان مائة ركعة في كل ركعة عشر مرات بالاخلاص ولا تغتر بذكرها في قوت القلوب واحياء العلوم ولا بذكر الثعلبي في تفسيره وكذا في شرح الاوراد۔ موضوعات کبیر ص۱۵۲

اسی طرح عاشورا کی نمازیں اور صلوٰۃ الرغائب بالاتفاق موضوع ہیں، اسی طرح ماہ رجب کی ہر رات کی نمازیں اور ستائیسویں رجب کی نمازیں، اور نصف شعبان کی نمازیں اور یہ نماز کہ اس رات میں سو رکعت نماز پڑھو، اور ہر رکعت میں دس بار سورۂ اخلاص، یہ سب موضوع ہیں۔ یہ روایتیں قوت القلوب، احیاء العلوم ثعلبی کی تفسیر اور شرح الاوراد میں جو یہ روایات نظر آتی ہیں ان سے دھوکہ نہ کھانا۔ (اسی طرح غنیہ، بہار شریعت اور شاہ عبد القادر کی تفسیر کو دیکھ کر دھوکا نہ کھائے)

تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں ہے۔

لم اجد في صوم ليلة النصف من شعبان حديثا مرفوعا صحيحا اما حديث علي الذي رواه ابن ماجة فقد عرفت انه ضعيف جدا۔ تحفة الاحوذي ج۲ ص۵۳

میں نے نصف شعبان کے روزے کے بارے میں کوئی حدیث صحیح مرفوع نہیں پائی اور علی کی وہ روایت جسے ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ وہ تو انتہائی زیادہ ضعیف ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فتح الملہم شرح مسلم میں امام عینی حنفی کا قول نقل کرتے ہیں۔

قال العيني واما الاحاديث التي في صلوة النصف من شعبان فذكر ابو الخطاب بن دحية انها موضوعة فتح الملهم شرح مسلم ج۲ ص۲۴۴

علامہ عینی حنفی کہتے ہیں نصف شعبان کے نمازوں کے بارے میں جتنی احادیث ہیں، تو ابو الخطاب بن دحیہ فرماتے ہیں یہ سب موضوع ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ شعبان اور شب براءت سے متعلق جتنی روایات ہیں وہ سب موضوع، منکر یا شدید ضعیف ہیں۔ ان پر عمل کسی صورت میں جائز نہیں، علی الخصوص ایسی صورت میں جب کہ عوام نے انہیں لازمۂ دین تصور کر لیا ہو ان پر عمل قطعاً حرام ہے۔ اگر اس قسم کے امور کی اجازت دیدی جائے گی تو تحریف فی الدین کا دروازہ کھل جائے گا۔

یوسف کوکن عمری "سیرت ابن تیمیہ" میں لکھتے ہیں۔

شعبان کی پندرھویں شب کو شام و عراق کے باشندے صلوۃ الالفیہ ہزارہ نماز پڑھتے تھے۔ یہ سو رکعت کی نماز تھی۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جاتا اور ہر رکعت میں سورت فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص دس مرتبہ پڑھی جاتی تھی۔ بعض لوگ سو رکعت کے بجائے صرف دس رکعت پڑھتے۔ اور ہر رکعت میں سورۂ اخلاص سو مرتبہ پڑھتے۔

غزالی نے احیاء العلوم میں (عبدالقادر نے غنیۃ الطالبین ج۱ ص۱۸۲ پر تحریر کیا ہے کہ لوگ یہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور اسے صلاۃ الخیر کہتے تھے۔ پھر حسن بصری سے یہ غلط (اور بلا سند) روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھ سے تیس سے زائد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

بیان کیا کہ جو کوئی یہ نماز پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی طرف ستر مرتبہ نظر فرماتا ہے اور ہر نظر میں اس کی ستر حاجات پوری کرتا ہے جن میں سے ایک ادنیٰ حاجت مغفرت الٰہیہ ہے۔ سیرت ابن تیمیہ[۱۴۲]

حسن بصریؒ کے اس قول اور صلاۃ الخیر پر تفصیلی بحث ہم نے "شب برأت اور اس کی حقیقت" میں کی ہے۔ ہمیں تعجب تو اس پر ہے کہ غزالیؒ فقہ شافعیہ کے امام مانے جاتے ہیں۔ حالانکہ شوافع کے نزدیک نفل باجماعت حرام ہے۔ دراصل مرض تصوف نے ان کی عقل کو ماؤف کر دیا ہے۔

یہ بھی ایک حیرت ناک امر ہے کہ جو نمازیں ۴۴۸ھ میں جاری کی گئیں اور اس دور کے اور بعد کے دور کے علماء ان نمازوں کے خلاف صف آرا رہے اور بہت سی کتابیں اس کے رد میں لکھی گئیں، اور غزالیؒ تقریباً اسی دور میں پیدا ہوئے۔ کیونکہ ان کا انتقال ۵۰۵ھ میں ہے انہوں نے علماء کا طریقہ چھوڑ کر ان جاہلوں کا طریقہ کیوں اختیار کیا۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ تصوف کے علاوہ کچھ نہیں اور غزالیؒ حدیث سے نابلد ہیں اور تمام زندگی میں بخاری و مسلم کے علاوہ انہوں نے حدیث کی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ کاش وہ ان ہی دونوں کتابوں کو اپنا معیار بنا لیتے۔

یہ بھی آپ سابقہ سطور میں علامہ محمد طاہر پٹنی کی زبانی پڑھ چکے ہیں کہ جب یہ نمازیں جاری کی گئیں تو اللہ کے نیک بندے اس خوف سے شہر چھوڑ کر جنگل کو چلے گئے کہ اس بدعت کے باعث انہیں اللہ تعالیٰ زمین میں نہ دھنسا دے یہ ان کا خوف حقیقت بن کر سامنے آیا اور کچھ عرصہ بعد ہی عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کا وہ قتل عام کیا جو آج تک تاریخ میں یادگار ہے۔ حتیٰ کہ مسجد عمر میں گھٹنوں گھٹنوں مسلمانوں کا خون بہہ رہا تھا۔ یہ اللہ کا ایک عذاب تھا جو اسی رات کے باعث مسلمانوں پر نازل ہوا۔

کوکن صاحب آگے لکھتے ہیں۔

ابو طالب مکی اور غزالیؒ (عبدالقادرؒ) کے لکھ دینے سے عام مسلمانوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ یہ نمازیں مستحب ہیں۔ اس بدعت کو سب سے پہلے ابن ابی الحمراء نے ۴۴۸ھ میں جاری کیا۔

یہ شخص نابلس کا رہنے والا تھا۔ اس نے اولاً یہ نماز تنہا پڑھنی شروع کی پھر دوسرے اسکی اقتدا کر نے لگے۔

ان راتوں میں ہر گھر میں حلوے مانڈے پکائے جاتے، اور مساجد میں روشنی کا انتظام ہوتا صحن مسجد اور اطراف میں بازار لگتا۔ ہر قسم کے پلے بدمعاش جمع ہوتے، خوانچے والے مسجد وں میں صدا لگاتے، اور سقے پانی لئے ہر طرف گھومتے۔ مرد اور بچوں کے ساتھ عورتیں بھی زرق برق لباس پہن کر اور عطر لگا کر ان نمازوں میں شریک ہوتیں (یعنی اچھا خاصا مینا بازار لگتا۔ پھر حسن مجازی کے دلدادہ اس سے کیسے پیچھے رہتے، ورنہ عشق حقیقی کی منزل کیسے طے ہوتی) پندرھویں شعبان کو خاص طور سے عورتیں زیادہ آتیں اور مزارات پر حاضری دیتیں۔ سیرت ابن تیمیہ ص۱۳۳ کرکن صاحب نے جو کچھ تحریر کیا ہے۔ وہ تو کچھ بھی نہیں بلکہ علامہ محمد طاہر پٹنی تذکرۃ الموضوعات میں یہاں تک لکھتے ہیں۔

واعظم منه مایوجد الیوم فی مسجد القصاص من اختلاط الرجال والنساء حتی تلاصق اجسادهم حتی یروی ان رجلا ضم امرأة من خلفه وعبث بها واخر التزم المرأة وغیر ذلك من الفسوق واللغط والسرقة وتنجیس مواضع العبادة واهانة بیوت الله وکله بدعة قبیحة۔
"تذکرۃ الموضوعات"

سب سے بڑا وہ فتنہ جو ان قصہ گو ملاؤں کی مساجد میں پایا جاتا ہے۔ وہ مرد و عورت کا اختلاط ہے۔ حتیٰ کہ ان کے جسم ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں حتیٰ کہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ ایک شخص نے ایک عورت کو دبوچ لیا اور اس سے مسجد میں کھیلتا رہا۔ دوسرے نے ایک عورت کو اپنے سینہ سے چپٹا لیا۔ اسی قسم کے فسق و فجور، لغو باتیں، چوری، مساجد میں ناپاکی اور اللہ کے گھروں کی توہین۔ یہ سب بدعات قبیحہ ہیں جو اس رات انجام دی جاتی ہیں۔

اس سے تاریخ کا ایک بدترین منظر سامنے آتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ تمام علاقوں میں یہی صورت حال ہو، اور ممکن ہے کہ یہ نقشہ ہندوستان کا بیان کیا جا رہا ہو۔ کیونکہ تاریخ سے یہ ثابت ہے

کہ علامہ محمد طاہر پٹنی کو چالیس سال کی عمر میں بدعات کی مخالفت کے باعث ۹۸۶ھ میں شہید کر دیا گیا۔ یہ اکبر کا دور تھا۔ بھلا غنڈے اور بدمعاش اس بات کو کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ ان کی عیاشی کے ذرائع ختم کر دیے جائیں۔ اس عبارت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دراصل اس رات کی عبادت بطور قبرستان کے چکروں کی غرض وغایت کیا تھی۔ اس دور کا ملا تو بے وقوف ہے کہ وہ اسے خدا پرستی کا ذریعہ تصور کرنے لگا ورنہ درحقیقت تو اس سے غرض صنم پرستی اور وصال یار تھا۔ ہمارے دور کے ملا تو مفت میں بدنام ہو گئے۔ ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم   نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

ان امور کی بنیاد ابن ابی الحمرآء اور ابن آبی جہضم جیسے صوفیاء نے رکھی، اور ابو طالب مکی، غزالی اور جیلانی وغیرہ نے ان کی ترویج و اشاعت کا کام انجام دیا۔ اگرچہ صدیوں تک علماء کی مخالفت کے باعث ان خرافات میں کمی تو ضرور واقع ہوئی۔ لیکن اصل شئے علی حالہ باقی رہی۔ ہاں یہ اللہ کا فضل ضرور ہوا کہ ملک شام اور مصر سے اسے ہمیشہ کے لئے اخراج کا پروانہ مل گیا۔ ملک عرب کی سرزمین تو اس غلاظت سے ہمیشہ پاک رہی۔

پہلے دور میں اور موجودہ دور میں یہ فرق ضرور ہے کہ پہلے دور کے تمام علمائے محدثین و فقہاء اس کھیل کے سخت دشمن تھے۔ لیکن موجودہ دور کے اور علی الخصوص ہند و پاکستان کے بیشتر علماء نے نہ صرف اس پر مہر جواز ثبت کی ، بلکہ اس کھیل میں خود بھی برابر کے شریک ہو گئے۔ اور کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد اس کے جواز کے لئے آباء اور بزرگوں کے عمل کی شہادت بھی حاصل ہو گئی۔ لیکن علامہ محمد طاہر پٹنی کی تحریر سے یہ بات ضرور واضح ہو گئی کہ اس رات کا اصل مقصد کیا تھا۔ اور اس کی بنیاد رکھنے والے کس درجہ کے خبیث تھے۔

کو کن عمری تحریر کرتے ہیں۔

ہر دور میں علماء نے ان بدعات کو بند کرنے کی کوشش کی۔ مگر عوام کی عقیدت (دل چسپی) کچھ ایسی تھی کہ وہ بند ہو ہو کر پھر جاری ہو جاتی۔ امام ابن تیمیہ نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے

ان بدعتی نمازوں کو مسلمانوں سے ختم کرایا۔ (یعنی مصر و شام سے) کوکن صاحب مزید لکھتے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ سخت اور بُری وہ سبوعی (ہفتہ واری) اور حولی (سالانہ) نمازیں ہیں جن کی بنیاد ابو طالب مکی، ابو حامد غزالی اور عبد القادر جیسے عجمیوں نے رکھی ہے (پاک و ہند میں رضا احمد نے بہار شریعت میں یہی کام انجام دیا) اور ان کو سنت رسول بتایا ہے۔ جن میں صلوٰۃ الالفیہ ہزارہ نماز بھی ہے جو رجب و شعبان میں ادا کی جاتی ہے اور سات رجب ستائیس رجب، شب عاشورہ، یا عیدین کی شبوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ تمام نمازیں بدعت ہیں، اور ان سے متعلق ساری حدیثیں اور روایتیں جھوٹی ہیں، جو کوفی اور عجمی اختراع سے زیادہ نہیں۔ جو ان نمازوں کو غیر مشروع جان کر بھی پڑھے وہ مشرک و کافر ہے۔ ص۱۲۵

یہ اعتراضات سینیں پر ختم نہیں ہوئیں۔ بلکہ ہندوستان کے صوفیاء نے حلقۂ توجہ، الٹی روزہ، کشف القبور، تصور شیخ اور فنا فی الشیخ جیسی مشرکانہ بدعات کا بھی اضافہ کیا اور انہیں اسلام کا لبادہ پہنا دیا گیا، دین تصوف کا انہی خرافات پر دار و مدار ہے۔ جس کے نتیجہ میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ دین تصوف اور دین اسلام دو متضاد امور ہیں۔ ویسے بھی صوفیاء کے یہاں شریعت اسلامیہ ہمیشہ ثانوی چیز رہی۔

شب براءت کے اصل بانی مبانی رافضی شیعہ تھے۔ جنہوں نے اس قسم کی روایات گھڑ کر عوام میں پھیلائیں اور صوفیاء نے ہراول دستہ کے طور پر ان کے لئے راہ ہموار کی۔ عزیز احمد اپنی کتاب ارمغان عجم میں رقم طراز ہیں۔

شیعوں کی کتاب "تحفۃ العوام" میں اس شب کی بے پناہ فضیلتیں درج ہیں۔ اس ماہ کو رجب سے زیادہ با برکت شمار کیا گیا ہے۔ خاص کر ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخ کو، ۱۵ شعبان کے بارے میں تحفۃ العوام کا مصنف لکھتا ہے۔

شب پانزدہم (پندرھویں) شب بیداری کرے کہ اول سے تا آخر شب حق تعالیٰ کی جانب سے ندا آتی ہے کہ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اسے بخشوں، ہے کوئی روزی طلب کرنے

والا کریں اس کی روزی کشادہ کر دوں اور غسل اس شب میں باعث تخفیف گناہاں ہے۔ (دنعل کھم ص ۱۱۳)

اس عبادت میں بعینہٖ وہی مضمون ہے جو ہم نے سطور بالا میں ابن ماجہ کے حوالے سے حضرت علی سے نقل کیا ہے۔ جہاں ہم نے یہ ثابت کیا تھا کہ اس کے دو راوی رافضی ہیں۔ یعنی ابوبکر بن ابی لبسرہ اور عبدالرزاق بن ہمام۔

ہاں اس عبادت میں غسل کا ضرور اضافہ ہے، اور لطف یہ ہے کہ صوفیا نے بھی اس شب میں غسل مستحب قرار دیا ہے۔ عزیر صاحب "تحفۃ العوام" سے نقل کرتے ہیں۔ منجملہ اعمال اس شب کے زیارت امام حسین علیہ السلام کی ہے کہ پیغمبران و ملائکہ اس شب خدا سے رخصت لے کر آنحضرت (حضرت حسینؓ) کی زیارت کو آتے ہیں۔ پس خوشحال اس کا جوان بزرگوں سے مصافحہ کرے۔

یعنی اس شب میں کربلا، کراچی میں میٹھی جیٹھی پل اور دیگر مقامات پہ دیگر جگہوں پر جانے والے (بلکہ قبرستان جانے والے) تمام اشخاص انبیاء اور ملائکہ سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اس شب کی تقدیس کا اندازہ کیجئے کہ سب پیغمبر اور ملائکہ کربلا جاتے ہیں اور حضرت حسینؓ سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کی قبر کا نقشہ بنا کر زیارت حسین پڑھیں تو گویا آپ نے بھی سب سے مصافحہ کر لیا۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ بقول شیعہ حضرت حسین کا سر کوفہ میں اور بقیہ دھڑ کربلا بلکہ نینوا میں دفن ہے۔ بلکہ شیعہ حضرت حسینؓ کو شہید نینوا کا خطاب دیتے ہیں۔ جو کربلا سے تقریباً چار سو میل آگے ہے۔ افسوس یہ ہے کہ یہ حضرات سر اور چہرہ دیکھے بغیر واپس ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ انہیں دونوں جگہ حاضری دینی چاہیئے تھی اور شاید اس عراق و ایران جنگ کا مقصود بھی یہی ہے کہ کوفہ و کربلا پر کسی طرح قبضہ کیا جائے۔ دراصل ہمارے سنی بھائیوں نے شیعوں کے ظاہری دانت دیکھے ہیں۔

اس سے زیادہ معیوب کیا شے ہوگی کہ نواسا نانا کی زیارت کو خود نہیں جاتا۔ بلکہ نانا کو کربلا

بلوانا ہے۔ دراصل اس کا مقصود یہ ہے کہ کربلا کی روضۂ رسول پر اور حضرت حسین کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت ثابت کی جائے۔ اس طرح انہوں نے اس عبادت میں تبرا یعنی براءت سے کام لیا۔

لیکن شیعوں کے اس تبرے کا جواب میرے پاس موجود ہے۔ وہ یہ کہ تحفۃ العوام کا مصنف یہ تو تسلیم کرتا ہے کہ انبیاء کی ارواح عالم بالا سے آتی ہیں اور کربلا جا کر حضرت حسین کی زیارت کرتی ہیں تو گویا ان کے نزدیک حضرت حسین کی روح آج تک کربلا میں مقید ہے۔

پھر اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ انبیاء و ملائکہ حضرت حسین کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ اگر ہم یہ بلا دلیل قبول بھی کر لیں تو کربلا میں تو ابن زیاد کے ساتھی بھی دفن ہیں۔ اس صورت میں یہ بھی ممکن ہے کہ انبیاء و ملائکہ کا مقصود ابن زیاد کے ساتھیوں کی زیارت ہو۔ ان کے پاس ہمارے اس دعوے کا کیا جواب ہے۔

یہاں یہ تحقیق بھی ضروری ہے کہ کربلا میں مشہد حسین کی بنیاد کب رکھی گئی۔ اگرچہ تاریخی لحاظ سے اس کی صحیح تاریخ تو معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن عقل یہ ضرور کہتی ہے کہ بنو امیہ کے زوال تک اس کی بنیاد قطعاً نہ رکھی گئی ہوگی۔ ان کی حکومت کا زوال ۱۳۲ھ میں ہوا۔ اگر اس کی بنیاد دور اموی میں رکھی گئی ہے تو پھر تو شیعوں پر ان کا یہ احسان عظیم ہے۔ ۱۳۲ھ سے دور عباسی شروع ہوا۔ اگرچہ عباسیوں اور علویوں نے مل کر بنو امیہ کے خلاف مل کر سازشیں تیار کی تھیں اور عجمیوں نے ان کا ساتھ دیا تھا، لیکن عباسیوں نے اقتدار پر قبضہ جما لیا۔ اور ابو مسلم خراسانی کو قتل کر کے اس عجمی سازش پر پانی پھیر دیا کہ علویوں کی حکومت قائم ہو، پھر نفس ذکیہ کے خاتمہ سے عباسیوں کا اقتدار مضبوط ہو گیا۔ لیکن ہارون الرشید کے دور تک علوی اقتدار پر قبضہ کی لگاتار کوششیں کرتے رہے۔ برامکہ بھی اندرون خانہ علویوں کا ساتھ دیتے رہے۔ جب برامکہ قتل ہو گئے تو ان کی تمام امیدیں مامون الرشید سے وابستہ ہو گئیں، جس کی ماں ایرانی تھی۔ ہارون کی وفات کے بعد ان شیعوں اور ایرانیوں نے مامون کو امین سے ٹکرا لیا۔ اور مامون کے نام

سے ۱۹۸ھ میں خلافت پر قبضہ کر لیا۔ مامونؔ بھی ان کی ہمنوائی میں شیعہ اور معتزلی بن گیا۔ مامونؔ کے بعد معتصم باللہ، اور اس کے بعد اس کا بیٹا واثقؔ باللہ مامون کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ یہ دور علماء اسلام کے لئے بہت ابتلا کا دور تھا۔ واثقؔ باللہ کا انتقال ۲۳۲ھ میں ہوا۔ غالباً مشہد حسین کی بنیاد اسی دوران رکھی گئی۔ کیونکہ تاریخ میں یہ وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ ۲۳۲ھ میں متوکل علی اللہ خلیفہ ہوا، تو اس نے ۲۳۶ھ میں مشہد حسین اور اس کے قرب وجوار کے مکانات منہدم کرا کے اس میں کھیتی کرائی، اور لوگوں کو اس کی زیارت سے منع کر دیا۔ کیونکہ متوکلؔ علی اللہ بدعات کا دشمن تھا۔ طبری ج ۱۱ ص ۴۰۷۔ تاریخ اسلام معین الدین ندوی ج ۳ ص ۲۵۴

۳۳۴ھ میں جو بویہ رافضی بغداد پر قابض ہو گئے اور ان میں سے معزالدولہ نے ۳۵۱ھ میں مساجد کے دروازوں اور محرابوں پر خلفائے ثلثہ اور امیر معاویہ وغیرہ پر لعنت لکھوائی۔ جس سے عوام اور حکومت میں ایک چپقلش پیدا ہوئی۔ آخر کار یہ لعنت بغیر نام کے تحریر کی گئی۔ اور سنیوں کو اس فیصلے پر مجبور کیا کہ خطبہ جمعہ میں حضور کی صرف ایک صاحبزادی کا تذکرہ ہو، عشرۂ مبشرہ کا نام خطبہ سے خارج کیا جائے۔ اس وقت تک سنی خلافت راشدہ میں صرف تین خلفاء کے قائل تھے۔ انہیں مجبور کیا گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ مانا جائے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کا نام خطبہ سے خارج کیا جائے۔ معزالدولہ کے فیصلوں پر آج تک ہمارے ائمہ مساجد اپنے خطبوں میں عمل پیرا ہیں۔ اسی معزالدولہ نے عشرۂ محرم میں ماتم جاری کیا۔ اسی نے شب غدیر منانے کا حکم دیا اور اسی کے حکم سے مشہد حسین دوبارہ تعمیر ہوا۔

گویا مشہد حسین کی پہلی بنیاد بھی ڈیڑھ سو سال بعد فرضی طور پر رکھی گئی تھی۔ لیکن وہ ۲۳۶ھ میں زمین کے برابر کر دیا گیا۔ پھر تقریباً سوا سو سال بعد اس کی فرضی تعمیر کی گئی۔ حالانکہ تاریخی تحقیق سے حضرت حسین کربلا میں شہید نہیں ہوئے۔ بلکہ نینوا کی سرزمین میں شہید کئے گئے اور ان کی شہادت دس محرم کے بجائے ۱۱ صفر کو ہوئی۔ جیسا کہ امام ابن سعد نے اس کی تفصیل ... اسی باعث آج تک شیعہ در پردہ انہیں شہید نینوا کا خطاب دیتے اور علوم ... نینوا

کو یاد کرتے ہیں۔ ہم نے یہ تمام تفصیلات قارئین کی معلومات کے لئے پیش کی ہیں۔

تحفۃ العوام کا مصنف آگے چل کر اس راز پر سے پردہ اُٹھاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

کہ جملہ متذکرہ برکات اس شب کے صرف اس لئے ہیں کہ جناب صاحب امر علیہ السلام کی اس شب ولادت ہے۔ ارمغان عجم ص۱۲۲

صاحب الامر سے مراد شیعوں کے بارھویں امام ہیں۔ دنیا میں صرف انہی کا حکم چلتا ہے اسی لئے انہیں صاحب الامر کہا جاتا ہے۔ انہی کو امام مہدی، امام غائب کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہیں اور شیعوں کے نزدیک وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اس لئے انہیں امام حاضر اور امام الزماں بھی کہا جاتا ہے۔

اس شب برات کی تمام فضیلت صرف اس لئے ہے کہ رافضیوں کے فرضی بارھویں امام کی ولادت اس شب ہوئی تھی اور اسی لئے اس کی فضیلت میں روایات وضع کی گئیں اور چونکہ ان کے یہ امام بھی فرضی تھے۔ کیونکہ گیارھویں امام حسن عسکری کے کوئی اولاد نہ تھی انہوں نے شادی کی تھی۔ لیکن ان کی چار باندیاں تھیں اور چاروں ایرانی تھیں۔ یہ چاروں دو سال تک پیٹ پھلائے رہیں تاکہ حسن عسکری کی دولت پر قبضہ کیا جا سکے۔ ان میں سے ہر ایک حاملہ ہونے کی مدعی تھی۔ لیکن جب دو سال تک بھی کوئی بچہ پیدا نہ ہوا تو عدالت نے بوڑھی عورتوں کو بھیج کر اُنکے پیٹ دکھوائے۔ جو قطعاً بچے سے خالی تھے۔ عدالت نے حسن عسکری کی وراثت اولاد اور بیوی نہ ہونے کے باعث بھائی کو دیدی۔ بعد میں ایک فرضی امام وضع کر لیا گیا اور اسے مہدی قرار دیا گیا۔ جس طرح شیعوں کے بارھویں امام فرضی ہیں۔ اسی طرح اس شب کی روایات بھی فرضی ہیں۔

محمود الحسن صاحب خسرو جو لا کلاس ہائی کورٹ حیدرآباد دکن کے اعزازی لیکچرار، اور مسلم علی گڑھ یونیورسٹی کے لیکچرار رہے اپنی کتاب "قرآن مجید کا نزول اور روح" میں لکھتے ہیں۔ شب برات میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ قرآن مجید کے نزول کو ماہ شعبان خاص

شعبان کی پندرھویں شب یعنی شب برات سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے اور نہ اس مہینے اور اس کی رات میں قسمتوں اور تقدیروں کے فیصلے ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ شب قدر کی خصوصیتیں ہیں جو رمضان کی ایک خاص رات ہے۔ جیساکہ اوپر ثابت ہو چکا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شعبان کی پندرھویں رات یعنی شب برات نہ کوئی فضیلت وعظمت کی رات ہے، اور نہ یہ کسی عبادت ودعا کی شب ہے، واعظین اس رات کی تقریبات کے بارے میں جو حدیثیں بیان کرتے ہیں، ناقدین احادیث نے ان سب کو بادلائل رد کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ روایتیں حدیث کی صحیح اور مستند کتابوں میں جگہ نہ پا سکیں۔ قرآن مجید کا نزول اور وحی ص ۱۳

خسرو صاحب نے اس کے بعد امام ابن القیم اور ملا علی قاری کے وہ اقوال پیش کئے جو ہم ہدیۂ ناظرین کر چکے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

مختصر یہ کہ شب برات کسی حیثیت و لحاظ سے کوئی مقدس رات نہیں ہے۔ نہ اس رات میں قرآن نازل ہوا ہے۔ نہ اس رات اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تشریف فرما ہو کر قبیلۂ کلب کی بکریوں بالوں اتنے انسانوں کے گناہ معاف فرماتے ہیں۔ نہ اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بقیع کے قبرستان جانا ثابت ہے، نہ اس رات جاگنا اور خاص نمازیں اور وظیفے پڑھنا ہے اور نہ پندرھویں کے دن روزہ رکھنا ہے کم درجہ کی کتابوں میں جو روایتیں بیان ہوئی ہیں ان میں بعض موضوع (من گھڑت) اور بعض غیر صحیح ہیں، اسی لئے نقاد ائمہ حدیث نے انہیں مسترد کر دیا ہے۔ امام ابن العربی مالکی (المتوفی ۵۴۳ھ) نے اپنی تفسیر (احکام القرآن) ج ۲ ص ۲۱۶ میں پندرھویں شعبان کی رات کی تمام حدیثوں کو غیر معتبر ٹھہرایا ہے۔

لیس فی لیلۃ النصف من شعبان حدیث یعول علیہ لا فی فضلها ولا فی نسخ الآجال فلا تلتفتوا الیها۔

نصف شعبان کی شب کے بارے میں کوئی حدیث ایسی نہیں جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ نہ اس شب کی فضیلت میں اور نہ موت وزندگی لکھنے کے

قرآن مجید کا نزول اور وحی مثا   بارے میں۔ ان روایتوں کی جانب مطلقاً توجہ نہ دو۔

حاصل کلام یہ کہ اس قسم کی تمام روایات ناقابل اعتبار ہیں اور حدیث کی کسی صحیح کتاب میں ان کا وجود نہیں۔ بلکہ یہ شیعوں کی ایک یادگار ہے جو صوفیاء کے ذریعہ سینوں میں پھیل گئی۔ متقدمین میں کوئی عالم اس کا قائل نہ تھا۔ اور نہ بلاد عربیہ میں اس کا کوئی وجود ہے۔ یہ صرف عراق وایران اور ایشیا کے علاقوں میں منائی جاتی ہے۔ یعنی جہاں جہاں تشیع کا زیادہ اثر رہا۔ ہند وپاکستان میں اس کی اشاعت کی وجہ بھی یہی ہے کہ عباسی دور کے ابتدا میں شیعہ اور قرامطہ بھاگ کر ہندوستان آتے رہے۔ پھر سندھ وملتان اور لاہور وغیرہ میں قرمطی حکومت قائم ہوئی جو بدترین قسم کے رافضی تھے۔ مغلیہ سلاطین کے بیشتر افراد شیعہ رہے۔ حتیٰ کہ شیعوں کے خلاف شاہ ولی اللہ کو کتاب لکھنے پر سزا ملی۔ اور شاہ عبدالعزیز کو بھی اپنی تصنیف "تحفہ اثنا عشریہ" سے انکار کرنا پڑا۔ اودھ کی اکثر ریاستوں پر بھی شیعہ قابض تھے۔ حیدرآباد دکن بھی شیعہ ریاست رہی۔ اس طرح شیعوں کو اپنے مسلک کے پروپیگنڈے کا موقعہ ملا۔ اور سنیوں کی زبانوں پر تالے لگا دیئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین میں حدیث وقرآن کا کوئی درس نہ دیا جاتا تھا۔ تاریخ سے تو آج تک عربی مدارس محروم ہیں۔ لیکن اب چند سال سے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ تشیع کے یہ سیاہ بادل کچھ چھٹتے نظر آتے ہیں۔

آتش بازی یا کہ آتش پرستی

نماز روزہ تو بالذات ایک عبادت ہے۔ بشرطیکہ انہیں شریعت کے بیان کردہ اوقات میں انجام دیا جائے لیکن یہ آتش بازی اور چراغاں کس قسم کی عبادت ہے۔ شریعت اسلامیہ نے کس وقت اور کون سے موقع پر اس آتش بازی اور چراغاں کا حکم دیا ہے۔ بلکہ ہجرت مدینہ کے بعد جب نماز باجماعت کی ابتدا ہوئی تو لوگوں کو جمع ہونے میں بہت دقت پیش آتی تھی۔ صحابہ کی ایک مجلس میں اس پر غور و فکر ہوا کہ لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے۔ بعض صحابہ نے رائے دی کہ آگ روشن کردی جائے، تاکہ اس کی روشنی دیکھ کر سب جمع ہو جائیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو اس لئے رد فرما دیا کہ یہ آتش پرستوں کا دستور ہے اسی لئے ارشاد ہوا۔

لا تشبھوا بالمجوس — مجوسی سے مشابہت نہ کرو۔

مجوسی یعنی آتش پرست دو خداؤں کے وجود کے قائل ہیں ایک کو خدائے خیر اور ایک کو خدائے شر کہتے ہیں۔ یعنی خیر کا خالق جدا اور شر کا خالق جدا ہے۔ خدائے خیر کو خدائے یزداں اور خدائے شر کو خدائے اہرمن کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں خدائے رحمٰن اور خدائے شیطان بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ آگ کو سرچشمہ خیر تصور کرتے ہیں اسی تخیل کو پیش نظر رکھ کر ایران کی سرزمین میں جگہ جگہ آتش کدے بنائے گئے اور ہزارہا سال آگ کی پوجا ہوتی رہی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب عراق پر حملہ ہوا تو یہ آتش کدے ٹھنڈے ہونے شروع ہوئے اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں موجودہ ایران کے آتش کدے ختم کردیئے گئے لیکن وہ علاقے جو آج مملکت روس میں داخل ہیں، یعنی بخارا، سمرقند اور بدخشاں وغیرہ ان کی آگ بنوامیہ کے زمانہ میں سرد ہوئی۔ کہیں بھی تو وجہ نہیں جو ایرانی خلفائے ثلاثہ اور بنوامیہ

سے نالاں نظر آتے ہیں۔

مجوسیوں کے یہاں ہر خوشی کے موقعہ پر آگ کا مظاہرہ کیا جاتا۔ جو آج بھی ان میں تہوار کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں جو دیوالی منائی جاتی ہے۔ وہ اسی آتش پرستی کی یادگار ہے۔ بنو عباس نے جب بنو امیہ سے اقتدار چھینا، اور خلافت پر قبضہ کیا تو انہوں نے ایرانیوں اور عجمیوں کا تعاون حاصل کیا۔ کیونکہ عرب بنو امیہ کے ساتھ تھے۔ جس کی وجہ سے بنو عباس کے دور میں کلیدی عہدے ایرانیوں اور مجوسیوں کے پاس رہے۔ بلکہ ان کے حرم میں ایرانی اور مجوسی عورتیں داخل ہوئیں اور حرم سرا کے ذریعہ اقتدار میں دخل اندازی شروع کی۔ بنو امیہ کا خاتمہ دراصل عربوں کا خاتمہ تھا اور بنو عباس کی خلافت اندرون خانہ دراصل ایرانیوں کی حکومت تھی۔

ان مجوسیوں نے جہاں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر عربوں کی قوت ختم کی، وہاں اسلام کو بدنام کرنے کے لئے ہزارہا قسم کی روایات اور بدعات جاری کیں، مسلمانوں میں یونان اور ہند و مت کا فلسفہ پھیلایا اور فلسفہ کے نام سے اسلام میں ہزاروں شکوک پیدا کئے۔ جتنے بڑے بڑے فلاسفر گزرے مثلاً ابو علی سینا اور ابن ابی الحدید وغیرہ یہ سب شیعہ اور عجمی تھے تصوف کو پھیلانے والے بھی سب عجمی ہیں۔

ان مجوسی عہدہ داروں میں سب سے اہم کردار برامکہ نے ادا کیا۔ برامکہ، برمک کی جمع ہے، اور برمک آتش کدے کو روشن کرنے والے اور نگرانی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ یعنی مہا پجاری، مجوسیوں کے یہاں یہ سب سے بڑا مذہبی عہدہ تھا، اس کی حیثیت ایک پوپ کی تھی۔ ان کو مغ بھی کہا جاتا تھا۔ جس سے پیر مغاں بنا، یعنی پوپ اعظم حافظ شیرازی کے کلام میں جو پیر مغاں اور مغ بچہ جگہ جگہ ملتا ہے۔ وہ اسی معنی میں ہے انہیں دو ہی قسم کے لونڈے پسند تھے، میکدہ کا ساقی اور مغ بچہ۔ ان کا تمام تصوف انہی دونوں قسم کے لونڈوں کے گرد گھومتا ہے۔

جب ایران کے آتش کدے بجھ گئے اور برامکہ اور پیر مغاں کے مذہبی عہدے ختم ہو گئے تو انہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر حکومت اسلامیہ میں عہدے حاصل کر لئے۔ عہدوں کے

حصول کے بعد پہلے تو اپنے محسن ہارون الرشید کو بدنام کیا۔ اس کے بارے میں ہزار ہا شراب نوشی اور عیاشیوں کی کہانیاں پھیلائیں۔ جس کی یادگار آج تک "الف لیلیٰ" کی صورت میں موجود ہے۔ پھر ہارون کی بہن عباسیہ کے خلاف زہر فشانی کی اور بیت المال پر قابض ہو گئے۔ یہی وہ طبقہ ہے جس نے مساجد میں چراغاں کی بدعت جاری کی۔ تاکہ اس طرح وہ آگ کی پوجا کر سکیں۔

علامہ محمد طاہر پٹنی "تذکرۃ الموضوعات" میں لکھتے ہیں۔

قال علی بن ابراهیم واول حدوث الوقود من البرامكة وكانوا عبدة النار فلما اسلموا ادخلوا فی الاسلام ما يموهون به انه من سنن الدين ومقصودهم عبادة النيران ولم يات فی الشرع زيادة الوقود علی الحاجة فی موضع۔

تذکرۃ الموضوعات ص ۴۲

علی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ سب سے پہلے چراغاں برامکہ نے جاری کیا۔ دراصل وہ پہلے آگ کے پجاری تھے۔ جب وہ اسلام لائے تو انہوں نے اس آگ کو اسلام میں داخل کر دیا۔ یہ دھوکہ دے کر کہ یہ روشنی بھی دین کی سنت ہے۔ حالانکہ ان کا مقصود آگ کی پوجا تھی اور شریعت میں ضرورت سے زیادہ روشنی کسی جگہ بھی جائز نہیں۔

شیخ ابراہیم حلبی حنفی اپنی کتاب "غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی" میں فرماتے ہیں۔

قيل اول حدوث الوقود من البرمكة وكانوا عبدة النار فلما اسلموا ادخلوا فی الاسلام ما يموهون انه من سنن الدين ومقصودهم عبادة النيران حيث ركعوا وسجدوا مع المسلمين، ولم يات فی الشرع فالاستحباب زيادة الوقود علی الحاجة فی موضع۔

تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی۔ ج ۲۔ ص ۵۳

کہا جاتا ہے کہ چراغاں کی بدعت برامکہ نے جاری کی۔ کیونکہ وہ آگ کے پجاری تھے جب وہ اسلام لائے تو یہ دھوکہ دے کر کہ وہ دین کی سنت ہے انہوں نے آتش پرستی کو اسلام میں داخل کر دیا۔ حالانکہ ان کا مقصود آگ کی پوجا تھی جب وہ مسلمانوں کے ساتھ رکوع اور سجدہ کرتے تو آگ کو رکوع اور سجدہ مقصود ہوتا۔ اور شریعت میں ضرورت سے زیادہ کسی جگہ روشنی جائز نہیں ہے۔

امام عینی حنفی اپنی شرح بخاری "عمدۃ القاری" میں اور علامہ شبیر احمد عثمانی "فتح الملہم شرح مسلم" میں فرماتے ہیں۔

واما الوقود في تلك الليلة فزعم ابن دحية ان اول ما كان زمن يحيى بن خالد بن برمك انهم كانوا يوقدون به على الطعام قال ولما اجتمعت بالملك الكامل وذكرت ذلك له قطع وابطل هذه البدعة المجوسية من سائر اعمال بلاد المصر

فتح الملہم شرح مسلم ج ۳

جہاں تک اس رات چراغاں کا تعلق ہے تو ابن دحیہ کہتے ہیں کہ اس کی ابتدا یحییٰ بن خالد بن برمک کے زمانہ میں ہوئی۔ وہ کھانا کھلانے کا نام کرکے لوگوں کو دھوکہ دیتے۔ جب ملک الکامل کے ہاتھ میں حکومت آئی اور میں نے اس سے اس کا ذکر کیا تو اس نے اس مجوسی بدعت کو پورے ملک مصر سے خارج کر دیا۔

ملک الکامل کے دور میں علامہ ابن دحیہ کی کوششوں سے مصر سے تو چراغاں کے نام سے آتش پرستی کا قلع قمع ہوگیا۔ لیکن ہند و پاکستان میں جہاں ایرانیوں کا ہمیشہ سے اثر غالب رہا ہے، اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ جس کے نتیجے میں آتش پرستی کے ساتھ ساتھ آتش بازی بھی وجود میں آگئی۔ اس طرح وہ رحمت جو بقول ان کے اس رات میں نازل ہوتی ہے اسے خود اپنے ہاتھوں آگ لگانی شروع کر دی۔ اس کھیل نے ہزار ہا گھر پھونک دیئے۔ یہ بے وقوف ہر سال کروڑ ہا کے سرمایہ کو آگ دکھا دیتے ہیں۔ بلکہ اب تو اسے اتنا ضروری تصور کیا جانے لگا کہ اس کے بغیر شب برات کا تصور بھی ممکن نہیں۔ گویا شب براءت اور آتش پرستی باہم لازم و ملزوم ہیں۔

جہاں تک چراغاں کا تعلق ہے اس کی حیثیت صرف ایک کھیل کی نہیں۔ بلکہ عوام الناس اسے خوشی اور رضائے الٰہی کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ جو خالص مجوسی عقیدہ ہے جو عین کفر ہے اور اسے رضائے الٰہی کا ذریعہ تصور کرنے والا بلا شک و شبہ کافر ہے۔

اس مجوسی یادگار کو رمضان المبارک میں ختم قرآن، ۲۷ رمضان، ۲۷ رجب، یوم ولادت

جنی اور سرکاری خوشیوں کے موقعوں پر بھی تازہ کیا جاتا ہے۔ پھر جشن ولادت نبی کے موقعہ پر چراغاں کیا جاتا اور اسٹیج پر کھڑے ہو کر گایا جاتا ہے کہ حضور کی ولادت سے ایران کے آتش کدے بجھ گئے۔ لیکن افسوس صد افسوس ان دعویداران حب رسول پر جو ان آتش کدوں کو خود اپنے ہاتھوں روشن کرتے اور اس پر پھولے نہیں سماتے۔ اس طرح سال میں کئی کئی بار ہر گھر میں آتش کدوں کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان مجوسیوں کو آتش کدوں کا بجھنا سخت ناگوار گزرا ہے۔

اسی لئے انہوں نے اس کی مخالفت کو اپنا لازمہ حیات بنا لیا ہے۔

یہ آتش بازی اور چراغاں جہاں مجوسیت کی یادگار ہے وہاں اسراف بیجا اور مال کا ضیاع بھی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ۔ بنی اسرائیل ۲۶-۲۷

اور فضول (مال) نہ اڑا۔ بیشک فضول اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ (ترجمہ رضا)

یہ مال اور سرمایہ کی بربادی کیا اُس قوم کو زیب دیتی ہے جو زندگی کی ہر ضرورت میں ترقی یافتہ ممالک کی محتاج ہو، بلکہ اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو ہماری قوم آتش پرستی، نذر و نیاز، عرس، گلز پوداری، تیجوں، برسیوں، سالگرہوں اور شادی کی رسومات پر جتنا سرمایہ برباد کرتی ہے۔ اس سرمایہ سے ہر سال ملک میں بیسیوں کارخانے تیار ہو سکتے ہیں۔ جو قوم دوسروں کی محتاج ہوتی ہے کیا وہ اسی طرح گھر پھونک تماشا دیکھا کرتی ہے۔

؎ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حاصل یہ کہ شب براءت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، نہ دور صحابہؓ و تابعین اور تبع تابعین میں اس کا کوئی وجود تھا اور نہ اُن مقامات پر آج تک اس کا کوئی وجود رہا ہے جہاں سے اسلام چل کر ہم تک پہنچا ہے۔ یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ۔ یہ تمام خرافات سرزمین عرب سے باہر ہی جنم لیتی ہیں۔

حلوے مانڈے

آپ حضرات اوپر پڑھ چکے ہیں کہ جب ابن ابی الحمرا نے ۴۴۸ھ میں بیت المقدس میں اس شب بیداری کی بدعت جاری کی تو اس وقت حلوے مانڈے بھی تیار کئے گئے، تاکہ مفت خورے لوگ حلوے کے نام سے اس بدعت میں تعاون کریں بعینہ اسی طرح جیسے میلاد اور ختم قرآن کے موقعہ پر شیرینی تقسیم کی جاتی ہے اور شیرینی کا نام سن کر ہزاروں مکھیاں بھنکنے لگتی ہیں۔ اسی لئے ملا حلوا خور مشہور ہو گیا ہے۔ لیکن ہمیں افسوس یہ ہے کہ بدنام کنندہ خود سب سے پہلے کھانے کے لئے پہنچ جاتے ہیں۔ بلکہ خود تیار کر کے اپنے ہاتھوں سے کھلاتے ہیں۔ افسوس یہ بدعقل ملا جواب دینے پر بھی قدرت نہیں رکھتا۔ شاید حلوے کی ہوس نے اس کی زبان پر تالے ڈال دیئے ہیں۔

ہم نے جہاں تک لوگوں سے معلوم کیا ہے آخر یہ حلوا کس مد میں پکایا جاتا ہے تو اس کی چار وجوہات سامنے آئیں۔ جس سے یہ پتہ چلا کہ ان حلوا پکانے والوں میں سے ہر ایک کا نظریہ جداگانہ ہے۔ اس لئے اس سلسلہ میں کوئی ایک فیصلہ ممکن نہیں۔ اس لئے ہم ذیل میں ہر طبقہ کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔

۱۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے، اور حضور کے لئے حلوا تیار کیا گیا تھا۔ اس لئے ہم حلوا پکا کر حضور کی نیاز دیتے ہیں۔ یہ طبقہ حلوا نہ پکانے والوں کو حضور کا دشمن تصور کرتا ہے۔ عام جہلا کا یہی تصور ہے۔

لیکن ہماری عقل سے یہ بات باہر ہے کہ حلوا تو حضور کے لئے تیار ہو، اور کھا جائیں خود یا دوست احباب، پھر حضور تک کیسے پہنچا اور پکاتے وقت اس بات کا بھی احساس نہ ہو کہ جس مال سے حضور کے لئے حلوا تیار کیا جا رہا ہے، وہ مال حلال ہے یا حرام کیونکہ ہم شاذ

کرتے ہیں کہ راشی، سود خور، جواری، بے ایمان، ڈاکو، غاصب اور اسمگلر سب ہی یہ حلوا پکاتے ہیں۔ اگر اس سے غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریمہ ہے تو حضور کے ساتھ اس سے بدترین کیا مذاق ہوگا کہ جس مال کے کھانے سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے۔ وہی مال حضور کو پیش کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ حضور کا ارشاد ہے۔

لا یقبل اللہ صدقۃ من غلول۔ مسلم ج۱ ص۱۱۹ — اللہ حرام کا صدقہ قبول نہیں فرماتا

اس قسم کے لوگوں کو محب رسول کہنا اللہ اور اس کے رسول کی زبردست توہین ہے۔ اس قسم کے لوگ حضور کے بدترین دشمن ہیں۔

اگر یہ حلوا صدقہ کی نیت سے پکایا جاتا ہے، تو اولین عرض تو یہ ہے کہ حضور کے لئے صدقہ حلال نہ تھا۔ پھر صدقہ صرف غریبوں کا حق ہوتا ہے۔ نہ کہ برادری اور دوست احباب کا۔ بلکہ کھاتے پیتے لوگوں کے لئے صدقہ کھانا حرام ہے۔ اس طرح سب حرام خوری میں مبتلا ہوئے اور شریعت کا مذاق جدا گانہ رہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا البقرہ-۲۳۱ — اور اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا نہ بنالو۔ (ترجمہ رضا)

ایک عرض یہ بھی ہے کہ جس شخص کے دانت ٹوٹ جاتے ہیں تو جب تک مسوڑھے بھر نہیں جاتے، اس کے لئے کھانا پینا دشوار ہوتا ہے۔ تمہاری منطق کی رو سے ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ کم از کم آٹھ دس روز حلوا پکاتے۔ لیکن تم نے اپنے نبی کو بھی ایک دن پر ٹرخا دیا۔ کیا اسی کا نام حب رسول ہے؟

یہ بھی نہیں معلوم ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دو دانت شہید ہوئے تھے۔ جنہیں ثنایا کہا جاتا ہے اور کھانا سامنے کے دانتوں سے نہیں کھایا جاتا، بلکہ داڑھوں سے کھایا جاتا ہے۔ افسوس کہ تمام زندگی کھاتے گزر گئی۔ لیکن انہیں آج تک یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ یہ کون سے دانتوں سے کھا رہے ہیں۔ قربان جائیے اس سادگی کے۔

اس کا کیا ثبوت ہے کہ آپ کا حلوا کھانے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی

نعمتیں چھوڑ کر دنیا میں تشریف لاتے ہیں اور اگر بالفرض ایسا ہوتا بھی ہے تو کیا ہند و پاک اور ایشیا
کے اکثر ممالک میں جو حلوا تیار کیا جاتا ہے۔ آپ اسے اکیلے کھا لیتے ہیں۔ اس کے کھانے کے لئے
تیس چالیس کروڑ افراد چاہئیں غالباً آپ اسی شکل کا تصور کرتے ہوئے خود ہی ہضم کر لیتے ہیں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چھلنیوں تک کا وجود نہ تھا۔ حتی کہ حضرت سہل
بن سعد انصاری کا بیان ہے کہ حضور نے تمام زندگی میں چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں دیکھی
اور ہوتا یہ تھا کہ جو پتھر پر رگڑ کر ان کا بھوسہ پھونک سے اڑا دیا جاتا۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت
سہل سے مروی ہے۔ تو سرزمین عرب میں تو اس وقت تک گندم اور چھلنی کا بھی وجود نہ تھا۔
تو یہ سوچی کا حلوہ کہاں سے آ گیا۔ یا حضور نے اسے کسی دوسرے ملک سے درآمد کرایا تھا۔ پھر یہ
جمے ہوئے حلوے کیا دانت ٹوٹے ہوئے کھاتے ہیں۔ ببیں عقل و دانش بباید گریست۔
یہ بھی یاد رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک جنگ احد میں شہید ہوئے۔
جو تمام مؤرخین کے نزدیک ۶ شوال ۳ھ میں واقع ہوئی۔ تف ہے ایسی عقل پر کہ دانت تو
شوال میں شہید ہوں اور حلوا دس ماہ بیس دن بعد پکایا جائے یا تمہارے کہنے کا مقصود یہ
ہے کہ ہم ایک ماہ بیس دن پہلے ہی پکا لیتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ تم پہلے سے اس روز
بلکی آرزو کئے بیٹھے تھے۔ قرآن نے اس قسم کے لوگوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔
یَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ   اور وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو۔ (ترجمہ ضلع)
۲۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ امیر حمزہؓ کی نیاز دی جاتی ہے۔ اگر یہ نیاز ان کی شہادت کے
باعث دی جاتی ہے تو وہ بھی ۶ شوال ۳ھ میں شہید ہوئے۔ پھر اگر یہ نیاز شہادت کے باعث
ہے تو پھر ہر شہید کی نیاز دینی ہوگی اور اسلام میں اتنے لاتعداد افراد شہید ہوئے ہیں کہ ان کی نیاز
کے لئے پاکستان کا بجٹ بھی ناکافی ہوگا۔ اگر آپ یہ فرماتے ہیں کہ ان کی صحابیت کے باعث یہ
نیاز دی جاتی ہے۔ تو صحابہ کرام ایک لاکھ سے زیادہ تھے۔ ان سب کی نیاز بھی لازم ہوگی۔ اگر
آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ صحابی ہونا اور شہید ہونا یہ دونوں چیزیں شرط ہیں تو جنگ احد میں ستر

صحابہ شہید ہوئے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی شہید ہوئے کیا آپ ان سب کی نیاز دیتے ہیں۔ اگر آپ یہ فرماتے ہیں کہ ہم تو حضور کے چچا ہونے کے ناطے ان کی نیاز دیتے ہیں تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضور کے چچا تھے۔ آپ نے ان کی نیاز کیوں نہیں دی۔ بلکہ چچا ہونے کے ناطے تو ابولہب کی بھی نیاز ہونی چاہیئے۔ ہم تو یہ سمجھنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ آپ لوگوں کو اپنی ناک بھی پکڑنی نہیں آتی۔ دوسرے کی ناک آپ کیا پکڑیں گے؟

۳۔ تیسرا نظریہ، یہ ہے کہ اویس قرنی کی نیاز دی جاتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے جب یہ سنا کہ حضور کے دندان مبارک شہید ہو گئے تو انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ کون سے دندان مبارک شہید ہوئے ہیں۔ اس لئے انہوں نے اپنے تمام دانت توڑ لئے۔ یہ بات جداگانہ کہ اُس دور میں جب کہ نہ ڈینٹسٹ کا کوئی وجود تھا اور نہ زنبور پائی جاتی تھی۔ پورے دانت کیسے توڑے گئے ہوں گے۔ ہمیں تو افسوس صرف اس امر کا ہے کہ یہ کہانی بیان کرنے والوں میں سے کسی نے آج تک اپنا ایک دانت بھی نہیں توڑا۔ جب آپ اس کہانی پر عمل نہیں کرتے تو منکرین کے سامنے یہ کہانی پیش کرنے سے کیا حاصل۔ یہ دعویٰ اور یہ بدعملی آپ کی منافقت کا کھلا ثبوت ہے۔

اویس قرنی کے بارے میں جتنی بھی روایات ملتی ہیں وہ اکثر جھوٹی ہیں۔ بلکہ بعض ائمہ محدثین کو ان کے وجود میں بھی شک ہے۔ امام مالکؒ اور امام شعبہ سرے سے ان کے وجود کے منکر ہیں۔ بلکہ امام شعبہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ میں نے عمرو بن مرہ تابعی سے جو قرن کے باشندہ تھے اور اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جس قبیلے کے اویس بیان کئے جاتے ہیں دریافت کیا کہ تمہارے قبیلہ میں یہ اویس نامی کوئی شخص گزرا ہے تو انہوں نے جواب دیا ہمارے قبیلہ یا ہماری بستی میں اس نام کا کوئی فرد نہیں گزرا۔ تو اگر یہ حقیقت ہے تو پھر کیا ایک فرضی وجود کی نیاز دی جاتی ہے؟

تاریخی طور پر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یمن کا علاقہ ۸ھ میں فتح ہوا۔ اگر اویس کا کوئی وجود تھا تو ظاہر ہے کہ وہ ۸ھ میں مشرف باسلام ہوئے ہوں گے۔ جب کہ حضور کے دندان

مبارک سے میں شہید ہوئے۔ اس طرح یا تو انہوں نے یہ دانت حالت کفر میں توڑے ہیں تو ایک کافر کے فعل سے ہمارا کوئی تعلق نہیں اور اگر حالت اسلام میں توڑے ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی تعلیم کے لئے اولاً حضرت علیؓ، پھر حضرت ابو موسٰی اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ کو مامور فرمایا۔ اویسؒ ان حضرات کے ذریعہ یہ معلوم کر سکتے تھے کہ آپ کے کون سے دانت شہید ہوئے ہیں۔ پھر اہل یمن کی اکثریت انہی حضرات کے ہاتھوں پر اسلام لائی اور ان حضرات سے یمن میں تعلیم حاصل کی۔ ان میں اویسؒ کا کوئی ذکر نہیں۔ اگر وہ عمداً ان حضرات کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے تو اس سے زیادہ ان کی بدقسمتی کیا ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص ایک مشہور صحابی ہیں جو ہمیشہ روزے رکھتے، اور تمام رات نماز میں تلاوت کلام اللہ کرتے۔ لیکن حضورؐ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

لم عذبت نفسك۔ ابو داؤد ج-۱ ص۲۲۶ — تو نے اپنی جان کو کیوں عذاب دیا

پھر فرمایا۔

ان لنفسك عليك حقا ولعينك حقا۔ بخاری ج-۱ ص۲۶۵، مسلم ج-۱ ص۳۶۷، نسائی ج-۱ ص۲۳۵ — تجھ پر تیری جان کا بھی حق ہے اور تیری آنکھوں کا بھی حق ہے۔

یعنی یہ بھی ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنی آنکھوں کو آرام دے اور انہیں عذاب نہ دے اور جب شب بیداری اور عبادت کر کے آنکھوں کو عذاب دینا جائز نہیں تو بلاوجہ دانتوں کو عذاب دینا کیسے جائز ہوگا۔ حالانکہ عبداللہ بن عمروؓ کا مقصود عبادت تھی عذاب دینا نہ تھا۔ لیکن بلا ارادہ آنکھوں کو تکلیف پہنچ رہی تھی۔ حضورؐ نے اس کی بھی ممانعت فرمائی۔ اس صورت میں ارادتاً دانتوں کو عذاب دینا یہ حب رسول نہیں، بلکہ عداوت رسول ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ناداں دوستوں سے محفوظ رکھے۔

یہ بھی شریعت کا ایک مسلمہ قانون ہے کہ خودکشی حرام ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی جان کا خود مالک نہیں۔ بلکہ یہ جان دراصل اللہ کی ملکیت ہے اور خودکشی اللہ کی ملکیت میں دخل انداز

ہے۔ تو جب جان اللہ کی ملکیت ہے اور اسے ضائع کرنا حرام ہے تو اسے کسی صورت میں نقصان پہنچانا بھی حرام ہوگا اسی لئے حضور نے ارشاد فرمایا کہ تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے اور ہر چیز کا حق ادا کیا کرو تو دانتوں کا بھی انسان پر حق ہوا اسی لئے انکی صفائی کا حکم دیا گیا۔ تو جو شخص اپنی آنکھیں خود ضائع کرتا یا اپنے دانت خود توڑتا ہے تو وہ سزا کا مستحق ہے نہ کہ تعریف کا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین میں سے کسی نے بھی اپنے دانت نہیں توڑے۔

اویس کے بارے میں یہ کہانی ہمیں آج تک کسی تاریخی کتاب میں نظر نہیں آئی۔ ہاں یہ صوفیا کی کتابوں میں ضرور نظر آتی ہے۔ مثلاً "کشف المحجوب" اور "تذکرۃ الاولیاء" وغیرہ۔ لیکن یہ حضرات تاریخ سے اتنے نابلد ہیں کہ اگر انکی تاریخی غلطیاں پکڑی جائیں تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں۔ تصوف کی کتابیں پڑھنے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ تصوف جہالت کا دوسرا نام ہے۔

۴۔ بعض لوگ صرف رسما اور دیکھا دیکھی پکاتے ہیں۔ گویا یہ عملی طور پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری حالت بھیڑوں سے کم نہیں۔ لیکن ہم نے ان میں سے آج تک کسی کو دیکھا دیکھی کنوئیں میں گودتے نہیں دیکھا۔ انکی غرض صرف دکھاوا ہوتی ہے اور ریاکاری اور دکھاوا خود حرام ہے اور اگر یہ مال حرام سے تیار ہوا ہے تو پھر اس میں دو حرمتیں جمع ہوں گی۔ اور سب سے بڑا جرم یہ ہوگا کہ دوسرے جو بری نیت سے یہ کام انجام دے رہے ہیں اس میں عملی طور پر انکی مدد ہو رہی ہے۔ ان میں سے ہر شخص اسکا منتظر رہتا ہے کہ کب دوسرے کے گھر سے حلوا آئے تو اسکے گھر بھیجا جائے اور جس گھر سے حلوا نہیں آتا اسے ذلیل تصور کیا جاتا ہے اور جو شخص حلوا واپس کر دیتا ہے۔ اسے اپنا دشمن تصور کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ بھی حلوا بھیجتے وقت یہ نہیں دیکھتے کہ کون مستحق ہے۔ بلکہ یہ بھی اپنی برادری اور دوست احباب کو پیش نظر رکھتے ہیں اور ہر ایک کے گھر سے حلوے کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ اس طبقۂ فکر کے لوگوں کا مقصود دین نہیں ہوتا صرف دنیاداری اور دکھاوا مقصود ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ اکثر اسی مرض میں مبتلا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر مرض سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

سنہ ۱۹۸۳ء
جولائی

حبیب الرحمان الکاندھلوی